ماہنامہ

صراطِ مستقیم

برمنگھم

Decemeber 2025





وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 46 No. 01 December 2025

Jumada al-Thani/ Rajab1447 AH

جلد: 46 شمارہ: 02 دسمبر 2025ء

جمادی الثانی / رجب: 1447ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRATE-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk

(نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں)



ایک کرن: زہران ممدانی کی جیت!

مولانا عبدالہادی العمری

بالآخر زہران ممدانی نیو یارک سٹی کے میئر کا انتخاب جیت گئے ، اور گزشتہ ایک صدی میں منتخب ہونے والے سب سے کم عمر اور زیادہ لوگوں کو متاثر کرنے والے شخص کے طور پر امریکی سیاست کے افق پر چھا گئے ، سال نو جنوری 2026ء سے بطور میئر اپنی ذمہ داریاں شروع کر دیں گے، وہ اس شہر کے ایک سو گیارہویں میئر ہیں، اس کا خود بخود مطلب یہ ہوا کہ ان سے پہلے ایک سو دس(110)افراد نے یہ منصب سنبھالا، جو اپنی اپنی مدت پوری کر کے رخصت ہوتے رہے۔ گویا یہ روٹین کا کام ہے، ممدانی کا عہدہ سنبھالنے

میں نیا کیا ہے کہ ان کے انتخاب کے ساتھ ہی خلاف روٹین مقامی، ملکی، بین الاقوامی میڈیا کی سرخیاں کئی دنوں تک اس خبر کے گرد گھومتی رہیں۔

عالمی ماہرین اور تجزیہ نگاروں نے اپنے اپنے حساب اور زاویہ نگاہ سے اظہار خیال کیا اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے، کچھ لوگوں نے ان کی اسلامی حیثیت اور شناخت پر گفتگو اس انداز سے کی کہ گویا ان میں کسی مسجد کے امام یا خطیب کی صفات تلاش کی جارہی ہوں ، یقینا انہیں اپنی اس تلاش میں ناکامی ہوگی، کیونکہ ممدانی امریکی ماحول میں پرورش پانے والے ایک شخص ہیں، امریکی عوام کے رجحانات، چال چلن اور عادات کے اثرات ان پر بھی ہیں، اور جو لوگ ان کے مسلمان ہونے کے سبب امت مسلمہ کے مسیحا کے طور پر انہیں دیکھ رہے ہیں وہ مغربی نظام حکومت سے واقف نہیں، یہاں اکیلا ایک آدمی چاہے وہ کتنا ہی اعلیٰ عہدیدار ہو اس کے اختیارات محدود ہوتے ہیں، پورا ایک نظام یہاں ہوتا ہے۔

عوامی ووٹ لینے کے لئے مختلف پس منظر کے لوگوں کے ساتھ ممدانی کے روابط ہیں جیسا کہ ہر جگہ سیاسی رہنما کرتے ہیں، زیادہ سے زیادہ لوگوں کی تائید حاصل کرنے کے لیے ہر کوچہ اور نگر کی خاک چھانتے ہیں ۔ چاہے ذاتی خیالات اس طبقہ سے ملتے ہوں یا نہیں۔ ممدانی کی جیت کے ساتھ ہی کئی سابقہ ریکارڈ ٹوٹ گئے ، رائے دہندگاں کا تناسب ماضی کے مقابلہ میں حیرت انگیز طور پر زیادہ رہا، ووٹرز میں پینتالیس سال سے کم عمر والوں کی اکثریت رہی، وہ اپنی اسلامی شناخت کا بر ملا اعلان کرتے رہے۔ ان کی جیت اسر ائیلی لابی کی شکست، صدر ٹرمپ کی ناکامی اور امریکی سیاست کے سیاہ وسفید کے مالک سرمایہ دار طبقہ کی ہزیمت ثابت ہوئی۔

نیو یارک ایک کوسموپولیٹن Cosmopolitan city ہے۔ متعدد ثقافتوں کے لوگ یہاں آباد ہیں، مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں، اس کا سالانہ بجٹ تقریباً 120 بلین ڈالر ہوتا ہے جو کئی ممالک کے مرکزی بجٹ سے زیادہ ہوتا ہے، سٹی میئر کے ماتحت مختلف شعبوں سے منسلک تقریباً تین لاکھ ملازمین ہوتے ہیں۔ میئر کی سالانہ تنخواہ دو لاکھ ساٹھ ہزار ڈالر، عالیشان رہائشی گھر اور دیگر سہولتیں حاصل ہوتی ہیں، لیکن ممدانی نے اعلان کیا کہ سرکاری رہائش گاہ کے بجائے وہ اپنے مختصر فلیٹ میں قیام کرنا پسند کریں گے۔ انہوں نے شاندار فتح حاصل کرنے کے بعد علاقہ کی مرکزی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی اور کچھ دیر کے لیے نمازیوں کے ساتھ گھل مل گئے۔

ایک آدمی خود کو مسلمان کہے، نازک حالات میں بھی اپنی اس شناخت کا اظہار کرے، مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز جمعہ ادا کرے، اس سے اتنا تو ثابت ہوا کہ وہ مسلمان ہے، کسی پر ظاہری حکم لگانے کے لیے اتنا کافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ صَلّی صَلَاتَنَا، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا، فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ الّذِي لَهُ ذِمّةُ اللّهِ وَذِمّةُ رَسُولِهِ، فَلَا تُخْفِرُوا اللّهَ فِي ذِمّتِهِ (صحیح بخاری : 391)

جو ہمارے حکم کے مطابق نماز ادا کرے، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، وہ مسلمان سمجھا جائے گا، یعنی چند ظاہری مراسم ادا کرنے سے وہ قانونی اعتبار سے مسلمان شمار ہوگا۔ دلوں کا حال، نیت اور اخلاص کا معاملہ اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ وہی علیم بذات الصدور ہے۔

امریکی سیاست میں دو پارٹیوں کا رواج ہے۔ مقامی اور قومی نمائندگان ان دو ہی پارٹیوں سے منتخب ہو کر اسمبلی اور پارلیمنٹ تک پہنچتے ہیں، چھوٹی اور مقامی پارٹیوں کی یہاں قابل ذکر حیثیت نہیں ہوتی، ان دونوں مرکزی پارٹیوں ڈیموکریٹ اور ریپبلکن کے درمیان جزوی اختلافات اور ترجیحات کا فرق ضرور ہے لیکن مرکزی نکات قدر مشترک ہیں، دونوں جمہوری اقدار کا دعوی کرتی ہیں یعنی عوام کی رائے اور عوام کی مرضی۔

معمولی مظاہر کی حد تک یہ بات درست ہے لیکن جتنا بڑا دعوی ہے اس کے پیچھے اتنی بڑی عملی دلیل نہیں، کیونکہ ان دونوں پارٹیوں کا سرا سرمایہ دار طبقہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے، ان کی مرضی کے بغیر اہم فیصلے نہیں کئے جاسکتے اور اس سرمایہ دار طبقہ کی اکثریت یہودیوں کی ہے، جس کے قبضہ میں اکثر وسائل ہیں۔

خاص طور پر دولت اور میڈیا ان کے کنٹرول میں ہے۔اس کے ذریعہ آسانی سے عوام کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے، جسے چاہیں ہیرو اور چیمپین بناڈالیں اور جسے چاہیں زیرو اور ویلن کے روپ میں پیش کریں۔ یہی بڑا سبب ہے کہ امریکی صدر چاہے مذکورہ کسی پارٹی سے ہو اس کا اسرائیل کے متعلق بیانیہ اور پالیسی ملتی جلتی ہوگی۔اقوام متحدہ میں اگر کوئی قرار داد اسرائیل کے خلاف ہو اس کو روکنے کے لیے فوراً حق ویٹو استعمال کیا جائے گا، چاہے وہ قرار داد کتنی ہی مبنی برحق ہو، ورنہ کوئی شخص یہودی سرپرستی کے بغیر کرسی صدارت پر براجمان نہیں رہ سکتا۔ کلنٹن ہو یا اوباما، جو بائیڈن ہو یا ٹرمپ سب اس کے اسیر نظر آئیں گے، حالیہ انتخابی مہم کے دوران امیدواران کے درمیان ہونے والے مباحثہ میں دریافت کیا گیا کہ میئر منتخب ہوں تو سب سے پہلے کس ملک کا دورہ کرنا پسند کریں گے، ممدانی کے علاوہ سارے ہی امیدواروں نے بلا کھٹکے اسرائیل کا نام لیا کہ منتخب ہونے کی صورت میں ارض مقدسہ بیت المقدس کا سفر ہماری اولین ترجیح ہوگی۔

اس جواب سے امریکی سیاست پر صیہونی قوتوں کے تسلط کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ممدانی تنہا امیدوار تھا جس نے جرأتمندانہ موقف اختیار کرتے ہوئے کہا کہ میں اسی شہر میں رہتے ہوئے اس کے مسائل حل کرنے کو ترجیح دوں گا، مجھے بطور میئر کسی بیرونی شہر کے سفر کی ضرورت نہیں۔

سابق صدر اوباما جو اسی ڈیموکریٹ پارٹی کے نمایاں رہنما ہیں لیکن انتخابی مہم کے دوران کھل کر ممدانی کی حمایت نہیں کی، مبادا کہیں صیہونی قوتیں ناراض نہ ہو جائیں، البتہ فتح کے اعلان کے بعد مبارکباد دیتے ہوئے اعتراف کیا کہ بدلتے ہوئے حالات میں پارٹی کی پالیسی پر از سر نو غور کرنے کی ضرورت ہے. کیونکہ عوام کو جمہوریت کے نام پر مزید دھوکہ دینے اور انہیں بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہانکنا آسان نہیں، ایشوز کو سمجھنے کے پیمانے بدل چکے ہیں، مذہب، رنگ اور نسلی امتیاز کی بنیاد پر تعلیم یافتہ معاشروں میں اب انتخابات جیتنام آسان نہیں۔

صدر ٹرمپ نے تارکین وطن کے خلاف زبردست مہم چلا رکھی ہے۔ وہ سفید فام White Supremacy کی برتری اور بالادستی کے قائل ہیں۔ خود ممدانی کے خلاف تو یہاں تک کہا گیا کہ اس کی امریکی شہریت واپس لینے کی کوشش کی جائے، کیونکہ ممدانی کی پیدائش افریقی ملک یوگنڈا کے شہر کمپالا میں ہوئی، ان کے والد گجراتی اور والدہ انڈین پنجابی پس منظر سے ہیں، سات سال کی عمر میں نیو یارک آئے، باپ کولمبیا یونیورسٹی میں پروفیسر تھے بیٹے کو یہاں کے معیاری اسکول میں تعلیم دلوائی، گریجویشن مکمل کرنے کے بعد یہ سماجی خدمات میں دلچسپ لینے لگے، خصوصاً کم آمدنی والوں کے کرایوں کے سلسلہ میں قانونی مدد کیا کرتے، جنوری 2025ء میں جب پارٹی کی طرف سے امیدواری میں لچپسی دکھائی، اس وقت ان کی تائید کرنے والے لوگ ایک فی صد سے کم تھے۔

ان حالات میں یہ خواب ہی لگتا تھا، لیکن مختلف مراحل طے کرتے ہوئے جون 2025ء تک اپناوزن سیاسی طور پر ممدانی نے اتنا بڑھالیا کہ ڈیموکریٹ پارٹی کو اپنے نمائندہ کی حیثیت سے نہیں نامزد کرنا پڑا، حالانکہ ان کے مدمقابل برسراقتدار میئر ایک تجربہ کار، مالدار طبقہ کا حامی اسرائیل نواز، شخص تھا، جو ممدانی کو کم عمر، ناتجربہ کار غیر ملکی وغیرہ وغیرہ جیسے القاب سے نوازتا رہا، لیکن جلد ہی اس کم عمر نو وارد کے مقابلہ میں اس گورے چٹے شخص کو اپنی شکست تسلیم کرنی پڑی، اور پارٹی نے ممدانی کو نامزد کر دیا، مگر جلد ہی ناکام شخص نے آزاد امیدوار کی حیثیت سے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کرکے سب کو حیران کر دیا، گویا اپنے چاہنے والوں کو پیغام دیا کہ پارٹی پالیسی کے اعتبار سے میں اس دوڑ میں ہار گیا لیکن انتخابی دوڑ سے باہر نہیں ہوا، یوں خود اپنے پارٹی کے ووٹ تقسیم کرنے کی کوشش کی اور صدر ٹرمپ نے اس آزاد امیدوار کی تائید کی۔

اس کے لیے اشتہاری مہم پر لاکھوں ڈالر خرچ کئے گئے۔ ممدانی نے انتخابی سرگرمیوں کے لیئے کسی سرمایہ دار کا زیادہ سہارا نہیں لیا، اس مہم کے دوران اپنی شناخت نہیں چھپائی اور نہ ہی معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا کہ وہ ایک مسلمان ہیں۔ وہ نہ صرف خود دوسرے ملک سے یہاں آکر آباد ہوئے بلکہ نیو یارک کے باشندوں کی اکثریت ایسے ہی لوگوں پر مشتمل ہے اور ان کے ہی دم سے شہر کی ترقی اور خوشحالی ہے، اور موقف اپنایا کہ لوگوں کو مذہب کے نام پر متنفر کرنے کی غلط روایت ختم ہو جانی چاہیے، یوں مختلف امیدواروں، ، اندیشوں اور مضبوط ایجنسیوں اور لابیوں کے باوجود ممدانی نے اکیلے پچاس فی صد سے زیادہ ووٹ حاصل کر کے شاندار کامیابی حاصل کی، اور اپنی فاتحانہ تقریر کے آغاز میں کہا کہ آئندہ میری مخالفت کا مطلب ہم سب رائے دہندگان کی مخالفت متصور ہوگی۔

مجھ تک پہنچنے کے لیے ہم سب سے گزرنا ہوگا۔ صدر ٹرمپ سے کہا کہ تم اپنے چینل کی آواز بلند کر لو Turn voliom up:

تاکہ میری بات اچھی طرح تمہارے ذہن نشین ہوسکے۔ تارکین وطن کے خلاف ہرزہ سرائی ختم کرو، نیو یارک کی اکثریت تارکین وطن کی ہے بلکہ امریکی آبادی کا بڑا حصہ بیرونی لوگوں پر مشتمل ہے۔ اس کی ترقی اور خوشحالی ان ہی کی مرہون منت ہے، انہیں ان کے حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا، آئندہ سرمایہ داروں کی تائید سے مقابلہ جیتنے کی ریت ختم ہونی چاہیے، جو بے دریغ دولت انتخابی مہم پر خرچ

کرتے ہیں اور بعد میں پالیسی بناتے ہوئے اپنی خرچ کی ہوئی رقم سود سمیت وصول کرتے ہیں۔

یوں مالداروں کے مفادات کا بوجھ عوام پر ڈالا جاتا ہے۔اب یہ نہیں ہوگا کہ سرمایہ دار ہی پالیسی بنائیں اور خود اپنے مفادات کا تحفظ کرتے ہوئے عوام پر ٹیکس کا بوجھ ڈال دیں۔ امیر طبقہ کو مختلف سہولتیں حاصل ہوں، ان کے لیے ٹیکس سے استثناء کی راہیں ہموار ہوں اور متوسط اور مزدور طبقہ کی جیبیں خالی ہوتی رہیں، عوام کی امنگوں کے مطابق حکومتی پالیسی بنانے کے لیے امیدوار کا سرمایہ داروں کے تسلط سے آزاد ہونا ضروری ہے، لہٰذا اب دولتمندوں پر ضروری حد تک ٹیکس لگایا جائے گا ایسے کہ ان پر بھی بوجھ نہ ہو اور اس ٹیکس کا فائدہ عوام کو ہی پہنچایا جائے گا، اسلام میں زکوۃ کا ایک فائدہ یہی تو ہے:

(تؤ خذ من اغنيائهم وترد علی فقرائهم) (صحیح بخاری: 1395، صحیح مسلم:19)

مالداروں سے وصول کرکے ضرورت مندوں پر خرچ کی جائے، مزید اعلان کیا کہ ہم بطور مذہب یہود کے خلاف نہیں، مذہبی یہودیوں اور صیہونی کارندوں کے درمیان فرق کرنا ہوگا، ہم حماس بطور تحریکیں اور تنظیم اس کی پالیسیوں کے خلاف ہیں لیکن اس کی آڑ میں فلسطینی عوام کا قتل عام ظلم اور بربریت ہے وہاں انسانیت سسک رہی ہے۔شاید ان کی یہی سچائی تھی کہ نیو یارک میں آباد تقریبا چالیس فی صد یہودیوں نے بھی ممدانی کے حق میں ووٹ ڈالا، حالانکہ صدر ٹرمپ نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ممدانی کی تائید کرتے ہوئے ووٹ ڈالنے والے یہودی احمق شار ہوں گے، لیکن مقامی یہودیوں نے خود صدر کو احمق اور مفاد پرست ثابت کردیا۔

ممدانی نے مخالفین کے اعتراضات اور افواہوں کے جوابات میں صلاحیتیں اور وقت ضائع کرنے کے بجائے رائے دہندگان کے ساتھ اپنے رابطہ کو مضبوط بنایا، ان کے ساتھ انتخابی مہم کے لیے رضاکاروں کی تعداد اسی ہزار سے متجاوز تھی جو کسی بھی میئر کی انتخابی مہم میں شامل ہونے والوں کے مقابلہ میں زیادہ تھی، انہوں نے عالمی مسائل اور تبصروں میں الجھنے کے بجائے مقامی اور متعلقہ مسائل پر توجہ مرکوز رکھی، اس کامیابی میں اس پالیسی کا کلیدی کردار رہا۔

ممدانی کی فاتحانہ تقریر صدر ٹرمپ کے لیئے زناٹے دار طمانچہ تھی کیونکہ ملک کے صدر ہوتے بھی ان کی مذہبی حیثیت کا مذاق اڑایا کہ نیو یارک کے میئر کے طور پر مسلمان کو ووٹ دینے کا مطلب 9/ 11 جیسا ایک اور دھا کہ کرکے کس ٹاور کو زمین بوس کرنے کا موقع دینا ہوگا، ممدانی نے کہا کہ اسلامو فوبیا کی مزید گنجائش نہیں کہ لوگوں کو اسلام کا نام لے کر خوفزدہ کیا جائے۔انتخابی مہم کے دوران خود کو مسلمان کہتا رہا اور اس فاتحانہ خطاب میں پرزور انداز سے اس کو دہرایا کہ میں ایک مسلمان ہوں اور اس پر معذرت خواہانہ رویہ نہیں اپناؤں گا، صدر ٹرمپ نے اقوام متحدہ کے عالمی فورم پر تقریر کرتے ہوئے بلا جواز لندن کے مسلم میئر صادق خان کو ہدف تنقید بنایا حالانکہ وہ اس عہدہ کے لیے تین مرتبہ عوامی ووٹ سے منتخب ہوئے ہیں۔ صدر کی اس اسلام دشمنی اور مسلم عداوت کا بھوت بوتل سے نکل چکا، جب امریکا ہی کی ایک دوسری ریاست ورجینا کے حالیہ انتخابات میں ایک اور مسلم خاتون امیدوار غزالہ ہاشمی نے کامیابی حاصل کرکے وہاں نئی تاریخ رقم کی اور اپنی تقریر میں کہا کہ میں پہلی مسلمان عورت ہوں جو اس نشست پر کامیابی حاصل کی۔ غزالہ حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئیں، چار سال کی عمر میں والدہ کے ہمراہ امریکا آئیں، جہاں ان کے والد پروفیسر تھے، تعلیمی مراحل مکمل کرکے خود بھی پروفیسر بنیں اور اب لیفٹیننٹ گورنر کے عہدہ پر منتخب ہوئیں، ایک طرف امریکی صدر اور صہیونی لابی کی اسلام دشمنی اور عوام کو مسلمانوں سے خوفزدہ کرنے کی سعی مسلسل اور دوسری طرف ان نمائندوں کی کامیابی لندن کے میئر کے علاوہ برطانیہ میں کئی مرکزی وزارتوں بشمول وزارت داخلہ پر مسلم وزراء کی موجودگی اپنے آپ میں بڑا جواب ہے:الحق يعلو ولا يعلى عليه اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے بجا طور پر ان معاندین کی صفوں میں یہ کامیابیاں ماتم سے کم نہیں، اسرائیل سے شائع ہونے والے بعض اخبارات میں یہ سرخی لگائی گئی کہ کیا اب شہر نیو یارک یہودیوں کے لیے محفوظ نہیں رہا، کیا یہودیوں کو یہاں سے نقل مکانی کرکے کہیں دوسری جگہ آباد ہونا چاہیئے۔

یاد رہے اسرائیل کے بعد سب سے زیادہ یہودی نیو یارک میں بستے ہیں، تقریبا اسی (80) لاکھ یہودی آباد ہیں، اسی ایک شہر میں دنیا کے ایک سو تیئیس (123) ارب پتی رہتے ہیں، سرمایہ دارانہ نظام کا قلب "وال اسٹریٹ" اسی شہر میں ہے، اسی سبب سے مشہور ہے کہ نیو یارک سوتا نہیں، یہاں ہر لمحہ دولت کا گراف زیر وزبر ہوتا رہتا ہے جس کے سبب دنیا بھر کی ایکسچینج مارکیٹ کاروبار کرتی ہیں۔ ممدانی نے اپنے تقریر میں پہلے انڈین وزیراعظم جواہر لال نہرو کا ایک اقتباس نقل کرکے اپنے مشرقی تعلق کا اشارہ دیا کہ انسانی زندگی میں کبھی کبھار ایسے لمحات آتے ہیں جن میں قدیم طرز سے جدید انداز کی طرف ہم قدم بڑھاتے ہیں۔اس اقتباس کو سنا کر گودی میڈیا پر ایک کاری ضرب لگائی جو تاریخی حقائق مسخ کرکے پیش کرنے کا عادی ہے، جو ہردم ہندو مسلم کی رٹ لگائے رہتا ہے، شاید یہ بھی ایک وجہ ہے کہ ممدانی کی جیت صدر ٹرمپ، اسرائیل وزیر اعظم اور پرائم منسٹر مودی اور ان کے پروپیگنڈہ مشنیریز کے لیے بھی مایوس کن ثابت ہوئی ہوگی۔



ہمسایوں سے حسن سلوک مومنانہ کردار کا مظہر ہے

مولانا محمد عبدالحفیظ اسلامی

اللہ کی بندگی کا حق پورے اخلاص کے ساتھ اور بندگان خدا کا حق پورے طریقہ پر ادا کرنا ہر ایک آدمی کیلئے ضروری ہے، جس کے بغیر کوئی مسلمان، اسلام کے معیار مطلوب کو نہیں پہنچ سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے ارشادات گرامی میں ایمان کے حوالے سے مختلف مواقع پر ہمیں یہ تاکید ملتی ہے کہ فلاں چیز ایمان کے منافی عمل ہے اور فلاں کردار کا حامل شخص ایمان کی دولت سے محروم ہے۔

غرض یہ کہ نبی ﷺ نے موقع بہ موقع اپنی امت کو یہ تعلیم عطا فرمائی کہ، فلاں فلاں کام کرنا ہے اور ان ان چیزوں سے تمہیں بلکل اجتناب کرنا ہوگا!!! خواہ معاملہ عبادات کا ہو یا معاشرت و معیشت سے تعلق رکھتا ہو یا پھر اس کا تعلق انسانی اخلاق و کردار سے ہو ان ساری چیزوں میں نبی اکرم ﷺ نے اپنے ارشادات گرامی کے ذریعہ لوگوں کو وہ وہ باتیں بتلائی ہیں، جس پر عمل کرتے ہوئے ہر فرد بشر، ایمان کے منافی اعمال سے بچ سکتا ہے۔ انسان کیلئے زبان سے اقرارِ ایمان تو آسان ہے لیکن اس کے تقاضوں کو پورا کرنا اور اس پر کھرا اترنا اصل چیز ہے اور جو بھی اپنے اندر دعوی ایمان رکھتا ہو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال سے اس کا ثبوت فراہم کرے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

بخدا وہ ایمان نہیں رکھتا، بخدا وہ ایمان نہیں رکھتا، بخدا وہ ایمان نہیں رکھتا" پوچھا گیا کون اے اللہ کے رسول ﷺ (ایمان نہیں رکھتا)" فرمایا: "وہ شخص جس کا ہمسایہ اس کی برائیوں سے مامون و محفوظ نہ ہو۔"

نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک مسلمان کے ایمان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کا پڑوسی و ہمسایہ اس سے ہمیشہ کے لئے کسی قسم کا خطرہ اور اندیشہ محسوس نہ کرے، بلکہ ایسا ماحول بنا رہے کہ پر امن انداز میں اطمینان کے ساتھ انسانی معاشرہ کے شب و روز گذرتے جائیں ،یعنی ہر شخص اپنے پڑوسی سے، اپنی جان و مال عزت آبرو، اور ہر طرح کے ستائے جانے، اور اذیت سے وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھے۔ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی، اسلام میں بہت اہمیت دی گئی ہے؛ یہاں پر والدین واَقرِبا کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ اس کا تعلق بھی اللہ تعالی کے احکام اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات سے ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن مجید کے سورۃ النساء کی آیت 36 میں اپنے حق کے ساتھ ہی والدین، رشتہ داروں یتیموں اور عزیز واقربا اور ہمسایوں، اور معاشرے میں ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں کے حقوق پر زور دیا ہے جو ہم سب کے لیے اس پر عمل کرنا فرض عین ہے؛ جس کے بغیر ایک پر سکون و مثالی معاشرہ کی امید خوش فہمی کے سواء کچھ نہیں۔!!!

آیت مذکور کے سلسلہ میں حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ تشریح فرماتے ہیں:

﴿وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا﴾

اور اللہ تعالی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرو۔۔۔!

(1) الجار، الجنب، قرابت دار پڑوسی کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی ایسا پڑوسی جس سے قرابت داری نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ پڑوسی سے بہ حیثیت پڑوسی کے حسن وسلوک کیا جائے رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار، جس طرح کہ حدیث میں بھی اس کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔

(2) اس سے مراد رفیق سفر، شریک کار، بیوی اور وہ شخص ہے جو فائدے کی امید پر کسی کی قربت و ہم نشینی اختیار کرے بلکہ اسکی تعریف میں وہ لوگ بھی آسکتے ہیں جنہیں تحصیل علم، تعلم صناعت (کوئی کام سیکھنے) کے لئے یا کسی کاروباری سلسلہ میں آپ کے پاس بیٹھنے کا موقع ملے (فتح القدیر)

(3) اس میں گھر، دکان اور کارخانوں، ملوں کے ملازم اور نوکر چاکر بھی آجاتے ہیں۔ غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید حدیث میں آئی ہے۔

(4) فخر وغرور اور تکبر اللہ تعالی کو سخت ناپسند ہے بلکہ ایک حدیث میں یہاں تک آتا ہے کہ "وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا۔" (صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم الکبر وبیانہ حدیث نمبر۔ 91) یہاں کبر کی بطور خاص مذمت سے یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالی کی عبادت اور جن جن لوگوں سے حسن

سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ اس پر عمل وہی شخص کرسکتا ہے جس کا دل کبر سے خالی ہو گا۔ متکبر اور مغرور شخص صحیح معنوں میں نہ حق عبادت ادا کر سکتا ہے اور نہ اپنوں اور بیگانوں کے ساتھ حسن سلوک کا اہتمام۔ (احسن البیان)

آیت مذکورہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نوع انسانی کے لیے حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد بھی انتہائی ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سب سے زیادہ مجھے وہ لوگ محبوب ہیں جو تم میں اخلاق کے لحاظ سے سب سے اچھے ہیں۔(صحیح بخاری)

حسن اخلاق سے متعلق نبی کریم ﷺ کی بہت سی احادیث آئی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ حسن اخلاق کے ذریعہ سے آدمی ایک اونچے درجہ تک پہنچ جاتا ہے حضرت عائشہؓ کی ایک روایت کے مطابق آدمی اچھے اخلاق کے ذریعہ ان لوگوں کا درجہ حاصل کرلیتا ہے جو راتوں میں اللہ کے حضور میں کھڑے رہتے ہیں اور دن میں ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں۔ (سنن ابو داؤد)

ارشاد نبوی ﷺ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والا پڑوسی کی تکریم کرے، پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔(صحیح بخاری)

پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا نسخہ عظیم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک خاص موقع پر تعلیم فرماتے ہوئے آخر میں ارشاد فرمایا:" اگر تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اللہ تعالی اور اسکے رسول تم سے محبت کریں (چاہیے کہ) جب کوئی امانت تمہارے پاس رکھوائی جائے تو اس کو ادا کرو اور بات کرو تو سچ بولو، اور اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔" (بروایت طبرانی)

آدمی خوب مال خرچ کرتا، اور خیر خیرات کرتا ہے، لیکن پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا اپنی زبان اور طرز عمل سے تکلیف پہنچاتا ہے تو اسکی خیر خیرات اسے کامیابی کی طرف نہیں لے جاتی اور عنداللہ نامقبول ہے۔۔

اچھے اخلاق کا تعلق ایمان سے ہے، اگر کسی میں اچھے اخلاق پائے جاتے ہیں اور وہ مسلمان بھی ہو تو اس کے ایمان والے ہونے کی گواہی دی جاسکتی ہے، اور یہ مومنانہ کردار کا اعلی مظہر ہے، اور وہ عنداللہ زبردست ماجور ہو گا کیونکہ یہ ایمان ہی کا تقاضا ہوتا ہے کہ ایک مسلمان اپنے پڑوس میں رہنے والا خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو حسن اخلاق، نرمی اور آدمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ اس سے ہمیشہ خیر ہی خیر کی توقع کی جائے۔ لیکن جب پڑوسی مسلمان ہو تو اس سے دوہرا رشتہ قائم ہوتا ہے ایک تو پڑوسی ہونے کا دوسرا ایمان والا ہونے کا کیونکہ ایمان کا رشتہ دیگر کئی رشتوں سے افضل ہے اور دین کا رشتہ تو خون کے رشتہ سے زیادہ اہم ہے اس کی طرف توجہ دینا انتہائی ضروری ہے۔

اب ذرا ہم اپنے مسلم معاشرے پر نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ ہم اپنے پڑوسیوں اور ہمسایوں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ آج ہم کسی سے بھی سوال کریں کہ بھائی آپ کا پڑوسی کیسا ہے؟ (الا ماشا اللہ) بہت کم ہی لوگ اس بات کی گواہی دیں گے کہ ہمارا پڑوسی بہت اچھا ہے یا کم از کم اچھا ہے۔ اب ایک سوال خود بخود اٹھتا ہے کہ آخر ہمارے معاشرے اور محلوں کی یہ صورتحال کیوں ہے یا ہوگئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات سے ہمارا معاشرہ بہت دور ہو گیا جس کا یہ نتیجہ ہے کہ مسلم محلوں میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑے بڑے جھگڑے ہوتے دیکھائی دے رہے ہیں، یہاں تک کہ قتل کے واقعات بھی ہورہے ہیں اور ان جھگڑوں کو پولیس وعدالتوں تک پہنچایا جاتا ہے جس کی وجہ سے پیسہ برباد اور رسوائی الگ سے ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تبارک تعالی نے مسلمانوں کو خیر امت بنا کر اٹھایا ہے، اس طرح ان کا وجود زمین پر خیر ہی خیر ہونا چاہئے، مگر افسوس اس بات پر ہے کہ یہ امت اپنے اونچے مقام کو فراموش کر بیٹھی (الا ماشاء اللہ) اور ان میں کی اکثریت اپنے مقصد حیات سے لا علم معلوم ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے محلے اور ان کے علاقہ معاشرے میں ایک مثالی نمونہ ہونا چاہئے تھے!۰۰۰۰۰ کوئی مسلمان اگر صرف اپنے پڑوس وہمسایوں کو مطمئن نہ کرسکے اور اپنے ایمان کی روشنی اور اخلاق کی خوشبو سے اس کا ہمسایہ مستفید نہ ہو سکے تو بھلا ایسے مسلمان سے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اسلام کی سچی اور اچھی تصویر اوروں کے سامنے پیش کرسکے گا یا اسلام کا تعارف اپنے حسن عمل و حسن اخلاق کے ذریعہ پیش کرے گا؟ حقیقت تو یہ ہے کہ بندے مومن کے شب و روز اسلامی کردار کے مظاہر و آئینہ دار ہوتے ہیں، جسے دیکھ کر لوگ اس سے متاثر ہوتے اور اسلام کی حقانیت نوع انسانی پر واضح ہوتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ آج ہمارے بعض بھائیوں کی بد اخلاقی کو دیکھ کر لوگ مسلمانوں بلکہ اسلام سے دور بھاگ رہے ہیں، ہاں یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگ ہمارے اندر ایسے بھی ہیں جن کے اوصاف حمیدہ، اخلاق حسنہ کو دیکھ کر الحمدللہ، لوگ اسلام سے قریب بھی ہورہے ہیں، لیکن ہماری اکثریت کی بے عملی و کوتاہی اور غفلت شعاری نے اسلام سے لوگوں کو دور کرنے کا بڑا ذریعہ بن رہی ہے؛ جس کی اصلاح کی طرف فوری طور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

جو لوگ اصلاح کا کام کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ سب سے پہلے اس کا آغاز بڑے ہی اہتمام و اعتدال کے

ساتھ اپنے گھر، اپنے محلے اور شہر سے کریں۔

اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ جہاں پر حقوق اللہ کی ادائیگی پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے اور دیا جانا چاہیے، وہیں پر حقوق العباد کی طرف بھی ملت کے نوجوانوں، مرد و خواتین کو اسکی تعلیم کا دیا جانا بے حد ضروری ہے۔ ورنہ آدمی کی عبادت "عادت" تو بن جائے گی لیکن حقیقی بندگی اسی وقت ممکن ہے جب مسلمان پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جائیں۔!!

ورنہ ہو گا یہ کہ ایک آدمی مسجد کی حد تک مسلمان بن جائے گا اور اس میں جب تک رہے گا مسلمان بن کر رہے گا اور جیسے ہی مسجد سے باہر نکلے گا۔ شیطان کے نرغے میں آکر وہ وہ کام کر جائے گا جو ایمان کے منافی اور بندگان خدا کو دکھ پہنچانے والے ہوتے ہیں جس میں کئی ایک باتوں کے علاوہ، پڑوس کو ستانے، اور اسکے حقوق کو دبا لینے والے قبیح عمل بھی شامل ہیں اور پڑوسی کو ستانے والے شخص کے متعلق نبی مکرم ﷺ کی طرف سے دی جانے والی اس نوٹس میں اس شخص کیلئے درس عبرت ہے، جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "واللہ لا یومن" یعنی وہ شخص مومن نہیں ہے یا بخدا وہ ایمان نہیں رکھتا، اس سلسلہ میں آپ ﷺ سے دریافت فرمایا گیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کون شخص ہے جو ایمان نہیں رکھتا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ شخص جس کا ہمسایہ اس کی برائیوں سے مامون و محفوظ نہ ہو۔"

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان ایک اچھا پڑوسی بن کر رہے اپنے پڑوسی کو اپنے عمل سے اپنی زبان سے اور اپنے ہاتھ سے تکلیف نہ پہنچائے اور ہر اس عمل سے پرہیز کریں جس سے پڑوسی کو ذہنی کوفت و روحانی صدمہ اور دکھ پہنچتا ہو، بلکہ پڑوسی کے دکھ درد میں شریک ہوں اور اس کی پریشانی پر خوش نہ ہوں، بلکہ اس کی جو کچھ مدد ہو سکتی ہے کہ جائے۔

پڑوسی خواہ اپنے گھر کی تعمیر کرا رہا ہو یا اس کے گھر شادی بیاہ یا اور کسی قسم تقریب ہو رہی ہو ایسے موقع پر اس کے کام میں رکاوٹیں کھڑی نہ کی جائیں بلکہ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی وقتی زحمت ہوتی ہے اسے برداشت کرنا چاہئے کیونکہ پڑوسی کے حقوق انتہائی اہمیت رکھتے ہیں اور اس کا تعلق نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق ایمان سے ہے اس کی حفاظت ہم سب کیلئے ضروری ہے اور یہ کام انفرادی واجتماعی ہر طریقہ سے مہم کے طور پر انجام دیا جانا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ اب جہاں پر ہمارے آئمہ مساجد اور واعظین امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خطابات میں اس مسئلہ پر لوگوں کو تعلیم دیں اور دوسری جانب، معاشرے میں اصلاح کا کام کرنے والی جماعتوں و تنظیموں کی بھی بھاری ذمہ داری ہیکہ اس جانب بھر پور توجہ دے تاکہ معاشرے میں صالح تبدیلی آئے۔

☆☆☆

محسوسات 'ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم'

تیرگی کفر و باطل کی مٹ جائے گی
حق کے جلوے یہ ہر سو بکھر جائیں گے
شاملِ حال جو فضلِ داور رہے
کام بگڑے ہوئے سب سنور جائیں گے
دینِ حق ہم زمانے میں پھیلائیں گے
غالب و حکمراں اس کو کر جائیں گے
ہو گا باطل جو مدّمقابل کبھی
سامنے اس کے سینہ سپر جائیں گے
مقصدِ زندگی ہے فقط بندگی
گر نہ ہو بندگی تو ہے شرمندگی
ڈر نہ جن کے دلوں میں ہو اللہ کا
اپنے سائے سے بھی پھر وہ ڈر جائیں گے
ہم کو منصب خلافت کا حاصل ہوا
اور ہم کو زمام قیادت ملی
ساری دنیا اسی سمت مڑ جائے گی
ساتھ لے کر اسے ہم جدھر جائیں گے
ہم جو چاہیں سمٹ جائیں گے فاصلے
ہم چلیں تو چلیں گے سبھی قافلے
نبض دوراں بھی کچھ دیر رک جائے گی
چلتے چلتے جہاں ہم ٹھہر جائیں گے
یوں تو جینے کو جیتے ہیں انساں بہت
یوں تو مرنے کو مرتے ہیں انساں بہت
سرخ رُو وہ شہادت سے ہو جائیں گے
راستے میں خدا کے جو مرجائیں گے
گو شب زندگی تیرہ و تار ہے
دشت پُر خار ہے ، راہ دشوار ہے
سوئے منزل ہوئے ہیں جو اب گامزن
آتش وخوں سے بھی ہم گزر جائیں گے
یہ مسلماں جو اللہ کے شیر ہیں
یوں وہ چپ ہیں کہ حالات گھمبیر ہیں
جانے دنیا کا اس وقت کیا حال ہو
شیر اللہ کے جب بپھر جائیں گے
زلفِ انسانیت اب ہے الجھی ہوئی
ہیں پریشاں بہت گیسوئے زندگی
ان کی چشم عنایت جو ہو جائے گی
یہ پریشان گیسو سنور جائیں گے
کوئی وحشی درندوں کو پیغام دے
وہ نہ غافل رہیں اپنے انجام سے
عرشِ اعظم بھی لا ریب ہل جائے گا
غم کے نالے اگر عرش پر جائیں گے
دوستوں ہی نے ہم کو کچوکے دیئے
زخم ہی زخم اپنوں سے ہم کو ملے
ذکر ہم سے وفا کا نہ کوئی کرے
ورنہ یہ زخم سارے اُبھر جائیں گے
کچھ عجب ان دنوں حال حماد ہے
اشک آنکھوں میں ہیں لب پہ فریاد ہے
ہر گھڑی بس یہی فکر و تشویش ہے
چھوڑ کر لوگ حق کو کدھر جائیں گے

مولانا ابوالبیان حماد عمری



بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ قُلْ هُوَ الرَّحْمَٰنُ آمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (سورة الملك: 29)

حمد و ثناء، اللہ رب العالمین کے لیے، جو مالک الملک، خالقِ کل اور عالمِ کل ہے، درود و سلام سرورِ انبیاء کے لیے، جو امامِ کائنات، رحمتِ کائنات اور سیدِ کائنات ہیں۔

ہمارے ایمان کا ایک لازمی تقاضا یہ ہے کہ تمام امور اور تمام کاموں میں، مشکلات میں اور تمام مصائب میں توکل، بھروسہ اور اعتماد صرف اللہ وحدہ لاشریک پر کریں۔ یہ توحید کا لازمی جزء ہے، توکل۔

﴿ وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ (سورة آل عمران: 122)

مومنوں کو چاہیے کہ صرف اللہ ہی پر توکل کریں۔

موسیٰ علیہ السلام نے بھی پہلے پیغمبروں کی طرح اپنی قوم کو یہی درس دیا، یہی سمجھایا، یہی فرمایا۔ جب ذکر ہوا فرعون کی طاقت کا، اس کے جبر و قہر کا، تو انہوں نے کہا:﴿ وَعَلَى اللهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾ (سورة المائدة: 23)

اگر تم مؤمن ہو تو اللہ پر بھروسہ رکھو، اس کی طاقت فرعون کی طاقت سے کہیں زیادہ ہے۔

توکل کو ایمان کی نشانی، ایمان کا ثبوت اور ایمان کی علامت کہا گیا ہے۔ بھروسہ اللہ پر رکھنا۔ سورۂ انفال کے شروع میں ہے:﴿ إِذَا ذُكِرَ اللهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ (سورة الانفال: 2)

مومن وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر ان کے سامنے آتا ہے، ان کے دلوں پر ایک ہیبت اور خوف طاری ہو جاتا ہے۔

اللہ کا نام سنتے ہی، اللہ کا ذکر آتے ہیں، ان کے دل ہیبت سے بھر جاتے ہیں۔ یہ ایک نشانی ہے، دوسری نشانی کیا ذکر فرمائی؟

﴿وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾ (سورة الأنفال: 2)

جب اس کی آیتیں، اللہ کی آیتیں، قرآن کی آیتیں ان پر پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان پہلے سے زیادہ ہو جاتا ہے۔

تیسری نشانی کیا بتائی؟

﴿وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾ (سورة الأنفال: 2)

تیسری نشانی مؤمن کی یہ ہے کہ وہ اپنے رب پر توکل، اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کو بھی جن مشکلات کا سامنا تھا، جن مصائب اور تکلیفوں سے وہ گزرتے رہے، اپنے ساتھیوں کو گزرتا ہوا دیکھتے رہے۔ اپنی اذیت الگ تھی، ساتھیوں کو اذیت میں دیکھنے کی اذیت الگ تھی۔ ذہنی، جسمانی ہر طرح کی اذیت اور تکلیف آپ نے سہی اور اس میں جب رب کی طرف سے حرفِ تسلی آیا، جب رب نے صلہ دیا تو کن الفاظ میں دیا؟ کیا کہہ کر دیا؟ اور کیا چیز بتائی ان مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے؟ توکل علی اللہ۔ یہی حکم دیا۔ سورۂ فرقان کو دیکھیں، اس کے آخر میں لکھا ہوا ہے:﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ﴾ (سورة الفرقان: 58)

اس ذاتِ عالی پر، اس عظیم ذات پر توکل اور بھروسہ کریں، جس کو موت نہیں آتی، جس کو زوال نہیں آتا، جو مرتا نہیں ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ زندہ ہے۔ اس پر توکل کریں۔ وہی ان مشکلات میں آپ کا سہارا بن سکتا ہے اور بنے گا۔ اسی طرح سورۂ ہود ہے قرآن پاک کی، اس میں بھی یہی ارشاد ہوا ہے، بارہویں پارے کی سورت میں۔

﴿ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ (سورة هود: 123)

زمین و آسمان کی چھپی ہوئی چیزیں کس کے علم میں ہیں؟ صرف اللہ کے علم میں جو تم سے چھپی ہوئی ہیں، اس سے چھپی ہوئی نہیں ہیں، اس کے علم میں ہیں۔ وہ سب جانتا ہے، اسی کا تو سب بنایا ہوا ہے، وہ سب جانتا ہے۔﴿وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ﴾ (هود: 123)

اور تمام کام اس کی طرف لوٹتے ہیں۔

ان کا انجام، تمام کاموں کا انجام اور نتیجہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ سبھی کام اس کی طرف لوٹتے ہیں یعنی یہ اسی کے ہاتھ میں ہے کہ کس کس طرف لے جانا ہے کام کو، اس کا نتیجہ کیا نکالنا ہے، اس کا انجام کیا ہے، اس کا اینڈ کیا ہے، وہی جانتا ہے اور وہی کرتا ہے۔ اس لیے:

﴿ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ (سورة هود: 123)

سو جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے، جس کے ہاتھ میں امور کا انجام ہے، جو چھپی اور کھلی چیزوں کو جانتا ہے، پھر اسی کی عبادت کرو۔ یہ آپ ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے اور آپ کی معرفت ہم سب کو حکم دیا جاتا ہے کہ ﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ (سورة هود: 123)

اسی کی عبادت کرو اور توکل علی اللہ یعنی اسی پر بھروسہ رکھو۔

سب کام وہی ٹھیک کر سکتا ہے، وہی کرے گا۔ اسی

طرح قرآن پاک کی ایک سورۂ ہے، سورۂ رعد۔ جہاں اللہ نے آپ کو یہ کہنا سکھایا، یہ کہنے یاد عا کرنے کی ترغیب دی کہ

﴿ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ﴾ (سورة الرعد: 30)

اپنی زبان سے اس بات کا اقرار کریں اور اعلان کریں کہ وہی ہے میرا رب، اس کے سوا کوئی معبود، کوئی قابل عبادت نہیں ہے۔

﴿ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ﴾ (الرعد: 30)

توکل، یعنی میرا بھروسہ، اسی پر ہے اور اسی کی طرف ہم سب نے جانا ہے۔ انجام بھی اسی کے پاس ہے۔

توکل کیا ہے؟ آیات قرآنی کے حوالے سے اس کی فضیلت اور تاکید آپ نے سنی۔ توکل وکالت سے ہے۔ وکیل کا لفظ اسی سے بنا اور وکیل کہتے ہیں کارساز کو، یعنی کام بنانے والا، جو اپنا یا کسی کی جگہ کام بنائے، کسی کا نمائندہ بن کر اس کا کام بنائے۔ یہ ہے اس کا مفہوم، اردو میں ہم اسے کارساز کہتے ہیں، یعنی کام بنانے والا، کام کرنے والا۔

توکل کی کئی قسمیں یا پہلو ہیں، جن پر مومن کو پورا اترنا ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قسمت کے لکھے ہوئے پر تسلی اور اطمینان رکھے کہ جو لکھا ہے، وہ مجھے مل کر رہے گا۔ یہ توکل کی پہلی شرط اور پہلی سیڑھی ہے۔ سیڑھی کا پہلا زینہ ہے، زینے کا پہلا قدم ہے۔

جیسا کہ قرآن نے کہا،

﴿لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ﴾ (سورة الحديد: 23)

جو مل گیا، اس پر ضرورت سے زیادہ خوشی نہ مناؤ کہ لکھا ہوا ملا ہے، لکھے ہوئے کے بغیر نہیں ملا۔ اس پر فخر نہ کرو، تکبر اور غرور کو اپنے پاس نہ آنے دو اور جو نہیں ملا، اس پر زیادہ افسوس بھی نہ کرو۔ تھوڑا بہت افسوس تو ہوتا ہے، لیکن اسے اپنے اوپر سوار نہ کر لو کہ کہیں یہ غم غالب نہ آجائے کہ فلاں چیز مجھے نہیں ملی، میں نے کوشش کی، میں نے محنت کی، لیکن پھر بھی نہیں ملی۔ اس لیے نہیں ملی کہ وہ تمہارے لیے لکھی ہوئی نہیں تھی۔ ملنے والی چیزوں پر زیادہ خوشی نہ مناؤ اور نہ ملنے والی چیزوں پر زیادہ افسوس نہ کرو۔ یہ تعلیم دی گئی ہے مومن کو اور یہ توکل کا پہلا زینہ ہے۔

دوسری بات خاص طور پر رزق کے بارے میں یقین رکھنا ہے۔ رزق کے بارے میں یہ یقین ہو اور پورا بھروسہ ہو اس بات پر کہ جو اللہ نے میرے لیے لکھا ہے، جو اللہ نے مجھے دینا ہے، وہ دے گا۔ مجھے مل کر رہے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت اس سے روک نہیں سکتی اور جو نہیں لکھا، وہ مجھے ملے گا نہیں، میں جو مرضی کر لوں۔

﴿ وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾ (سورة هود: 6)

ہر جاندار کا رزق اللہ نے اپنے ذمے لیا ہے کہ کس کو کتنا دینا ہے، تھوڑا یا زیادہ۔

"وَالرِّزْقُ مَقْسُومٌ وَهُوَ آتٍ عَلَى ابْنِ آدَمَ عَلَى أَيِّ سِيرَةٍ سَرَاهَا " (حلية الأولياء:6/116)

رزق تقسیم کیا جا چکا ہے، شروع سے ہی، شروع کائنات سے ہر بندے اور جاندار کے لیے رزق تقسیم کیا جا چکا ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی، ترمیم، یا تبدیلی نہیں ہو سکتی، ختم ہو گئی بات۔ یہ اسے ملنا ہے، یہ اسے ملنا ہے، اتنا ملنا ہے۔ آگے فرماتے ہیں:

"تَقْوَى تَقِيٍّ لَيْسَ بِزَائِدَةٍ " (حلية الأولياء:6/116)

کسی کی نیکی یا تقویٰ اس کے رزق میں اضافہ نہیں کرے گا، ثواب میں کرے گا، لیکن رزق میں نہیں کرے گا۔ اسی طرح، گناہ گار کا فسق و فجور اس کے رزق میں کمی نہیں لائے گا۔ جو اللہ نے طے کر دیا ہے، وہی ملے گا، چاہے وہ گناہ کرتا رہے۔ اس کی سزا تو دی جا سکتی ہے، لیکن رزق میں کمی نہیں ہو گی۔

تیسری بات یہ ہے کہ تکالیف اور مشکلات میں اللہ پر بھروسہ رکھیں اور اس کی طرف رجوع کریں۔ سورہ احزاب دیکھیں۔

﴿وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا﴾ (الأحزاب: 22)

جب مومنوں نے، صحابہ نے ایک بڑے لشکر کو دیکھا، پورے عرب سے امڈ کر آیا بہت بڑا لشکر، مکے والے قریشی لے کر آئے، دوسرے قبیلوں کو ساتھ ملا کر، اس وقت کے لحاظ سے اور مسلمانوں کے مقابلے میں تعداد کے لحاظ سے، دس ہزار کی تعداد بہت بڑی تعداد تھی یا اس سے بھی زیادہ تھا یہ لشکر آیا۔ لیکن جب مؤمنوں نے دیکھا تو وہ گھبرائے نہیں، پریشان نہیں ہوئے، ﴿قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾ (سورة الأحزاب: 22)

"اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ آزمائشیں آئیں گی، دشمنوں کا اور مشکلات کا مقابلہ کرنا ہو گا۔"

﴿ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾ (الأحزاب: 22)

"اور اللہ کی بات بھی سچ ہے اور رسول کی بات بھی۔"

﴿وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ﴾ (سورة الأحزاب: 22)

اس مشکل نے ان کے ایمان کو، اللہ کے ساتھ ان کے تعلق کو گھٹایا نہیں بلکہ بڑھا دیا کہ کوئی بات نہیں اگر لشکر بڑا ہے، تو اللہ اس سے بھی بڑا ہے۔ یہ توکل کا ایک درجہ ہے کہ مشکلات میں اور جنگ بھی ایک مشکل ہے، بھروسہ ہتھیاروں پر نہیں افراد کی تعداد اور کثرت پر نہیں بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی مثال، بدر کے میدان میں دیکھیں۔ بدر اس کی اولین مثال ہے۔ تعداد میں مقابلہ نہیں تھا، ہتھیاروں میں مقابلہ نہیں تھا، لیکن آپ ﷺ نے کیا کیا، صفیں آراستہ کیں، ساتھیوں کو تیار کیا اور کہا کہ میرے لیے ایک چھپر سا بنا دو، ایک

سایہ سا بنادو، اسے عربی میں عریش کہتے ہیں، صحابہ نے بنادیا، آپ وہاں کھڑے ہوگئے، اللہ سے مانگنے کے لئے، اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہوئے دعا کی۔ آپ نے ساتھیوں کو تیار کیا اور اللہ سے مانگتے رہے، رو رو کر دعا کرتے رہے۔ آپ کے جانثار ساتھی حضرت ابو بکر صدیق ﷛ کا کبھی ایک پاؤں میدان جنگ میں ہوتا تھا اور کبھی جھونپڑے میں، آپ کو دیکھنے آتے تھے کہ آپ کس حال میں ہیں۔ آپ کی دعاؤں کا سلسلہ کیسے چل رہا ہے اور پھر انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے حبیب اور ہمارے حبیب! اتنا نہ روئیں، اللہ یقیناً آپ کی سنے گا۔ آپ نے اس اہم موقع پر اللہ ہی سے مانگا اور اسی نے مدد کی۔ اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر اللہ پر توکل تھا اور اللہ تعالیٰ نے کامیابی دی تو کیا فرمایا؟

«اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ نَصَرَ عَبْدَہٗ» (مسند احمد:3856) اللہ نے اپنے بندے کی مدد کی ہے، میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔

اس تقویٰ کے کچھ مدارج ہیں، یعنی درجات ہیں، کم، درمیانہ، زیادہ۔ یا اس طرح سمجھ لیں کہ ایک عام مومن کا تقویٰ ہے، ایک عام مؤمن کا توکل ہے اور ایک خاص مؤمنوں کا تقویٰ اور توکل ہے اور تیسرا درجہ بہت ہی خاص، اخص الخواص، یعنی بہت ہی اونچے لوگ جو ایمان اور عمل میں ممتاز ہیں۔ تیسری قسم کا توکل ان کا ہے۔

توکل کا پہلا درجہ جو سب مومنوں کے لیے ضروری ہے، اور اس کی وضاحت امام غزالی نے 'منہاج العابدین' میں کی ہے:

آدمی کو یقین ہو، دلی، قلبی یقین کہ رزق، عزت اور حاجتوں، ضرورتوں کا پورا ہونا، دعاؤں کا پورا ہونا صرف ایک اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ پہلا درجہ ہے۔ اس کے ساتھ یہ یقین بھی کہ اللہ کو کسی کام کے لیے اسباب کی ضرورت نہیں ہے، وہ اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ ہم انسان محتاج ہیں کہ کسی بھی کام میں کامیابی کے لیے طریقے اختیار کرنے پڑتے ہیں، دنیاوی اسباب اکٹھے کرنے پڑتے ہیں۔ ان میں محنت بھی شامل ہے، کوشش بھی، مال بھی، اور دیگر چیزیں بھی شامل ہیں۔ اللہ کو ان کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴾ (سورة ياسين: 82)

اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے 'ہو جا' اور وہ ہو جاتا ہے۔

اللہ کو اسباب کی ضرورت نہیں ہے لیکن انسان کو ہے۔ اس لئے اسباب کو چھوڑیں نہیں، اسباب اختیار کریں، دنیاوی وسائل اور کامیابی کے طریقے اختیار کریں، لیکن ان پر اعتماد نہ کریں۔ یقین یہ رکھیں کہ کامیابی اللہ سے ہے۔ یہ توکل کا پہلا درجہ اور پہلی قسم ہے، علماء کی زبان میں بات کریں تو اسے 'تَرْکُ الْاِعْتِمَادِ عَلَی الْأَسْبَابِ' کہا گیا ہے۔ یعنی اسباب پر اعتماد نہ کرو، بلکہ اللہ پر کرو۔

جیسے مشہور ہے کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور اپنی سواری کو، اونٹ کو باہر چھوڑ دیا۔ نبی کریم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا: اس کا گھٹنا باندھ کر آؤ۔ لیکن توکل گھٹنا باندھنے پر نہیں، اللہ پر کرو کہ وہ اس کی حفاظت کرے گا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو کیا کہا، سورۂ یوسف دیکھیں، جب وہ بھائی کی تلاش میں گئے۔ پہلے تو یہی سمجھتے تھے کہ وہ دنیا سے چلا گیا ہے، لیکن جب یعقوب علیہ السلام کو کچھ آثار نظر آئے، جب بیٹے ایک سفر کر کے آئے اور وہاں ان سے کہا گیا کہ اس کے سگے بھائی کو بنیامین کو اگلی دفعہ لے آنا، اس طرح کی باتیں سنیں تو آخر نبی آپ بھی تھے، صاحب عقل وفراست بھی تھے، تو انہوں نے کہا کہ مسئلہ کوئی ہے، یوسف ہے دنیا میں، اللہ اسے ملائے گا، انہوں نے کہا۔

﴿اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِن يُوسُفَ وَأَخِيهِ ﴾ (سورة يوسف: 87)

دوسرے، تیسرے سفر کی یہ بات ہے، جاؤ جا کے یوسف کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو، جس کو اس نے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ ایک نصیحت بھی کی کہ

﴿لَا تَدْخُلُوا مِن بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ﴾ (سورة يوسف: 67)

دس بھائی اکٹھے نہ جائیں، اتنے بیٹے، اتنے جوان بیٹے، اکٹھے نہ جائیں کہ کہیں نظر نہ لگ جائے کہ بلکہ شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہونا، ایک دروازے سے نہ داخل ہونا۔ یہ ایک تدبیر تھی کہ لوگوں کی نظر میں نہ آئیں۔ لیکن آگے کیا فرمایا؟

﴿وَمَا أُغْنِي عَنكُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ﴾ (سورة يوسف: 67)

یہ ایک تدبیر ہے، لیکن کوئی تدبیر اللہ کے فیصلے کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

﴿ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (سور يوسف: 67)

اللہ کا حکم چلتا ہے، فیصلہ اسی کا چلتا ہے، وہی کامیاب ہے، ہر چیز پر اس کا فیصلہ ہی حاوی ہے۔

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ﴾ (سورة التوبة: 129)

یہاں بھی آخر میں یہی فرمایا کہ چونکہ فیصلہ اسی کا چلنا ہے، اس لیے تدبیر اختیار کرو، لیکن بھروسہ اور توکل واعتماد اسی پر رکھو۔

توکل کے بارے میں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسباب کو ترک کر کے بے دست و پا ہو کے، ہاتھ پاؤں توڑ کے بیٹھ جانا کہ اللہ نے کرنا ہے تو کرتا رہے، وہ خود ہی کرے گا۔ جیسے بندوق کو دھوپ میں رکھ لو کہ وہ خود ہی چل جائے گی، یہ بے وقوفی ہے۔ یہ توکل نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ایک حکایت میں نے ایک دفعہ بیان کی تھی۔

اور وہ یہ تھی کہ ایک مالدار تاجر کا، کامیاب تاجر کا بیٹا کاہل تھا، سست تھا، اور کسی کام میں دلچسپی نہیں لیتا تھا۔

باپ نے اسے سمجھایا، اس نے کہا: ”جی آپ خود ہی بتاتے ہیں کہ رزق اگر دینا ہے تو اللہ نے دینا ہے، سب کام اللہ نے کرنے ہیں، تو وہ دے گا ہمیں، ہم کام کریں یا نہ کریں۔“ اس نے کہا: ”نہیں ایسا نہیں ہے، انسان کو کوشش کرنی پڑتی ہے، نتیجہ اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔“ مال تجارت اسے دیا، قافلے کے ساتھ روانہ کیا کہ جاؤ، جاکے تجارت کا کام کرو۔ وہ گیا اور قافلہ آگے چلا گیا۔ وہ قافلے کو چھوڑ کے کچھ دنوں کے بعد واپس آگیا۔ پوچھا، کیا ہوا؟‘ اس نے کہا: ”جنگل میں میں نے ایک منظر دیکھا جس نے میرے خیالات کو اور میرے توکل کو اور مضبوط کر دیا۔“ پوچھا، کیا منظر دیکھا؟ اس نے کہا: ”جی، ہم جا رہے تھے، رات کے وقت دیکھا کہ لومڑی بوڑھی ہے، بیمار ہے، حرکت بھی نہیں کر سکتی اور وہ پڑی ہوئی ہے ایک درخت کے نیچے۔ تو میں نے سوچا کہ یہ جو درس میرے ابا دیتے ہیں اور لوگ دیتے ہیں، مولوی دیتے ہیں کہ اللہ سب کو دیتا ہے اور اللہ کے ذمے سب کا رزق ہے، دیکھتے ہیں کہ اس کو کیسے دے گا؟ یہ تو ہل بھی نہیں سکتی، ادھر ادھر جا سکتی ہے، کچھ تلاش بھی نہیں کر سکتی۔“ ہمارے قافلے کا قریب ہی پڑاؤ تھا، تو رات کے وقت یہ دیکھنے کے لیے میں جاگ رہا تھا، میں نے دیکھا کہ کچھ فاصلے پہ ایک شیر نے شکار کیا۔ اپنا پیٹ بھرا اور جو بچا ہوتا ہے، چھوڑ کے چلا گیا۔ یہی شیر کی عادت ہے کہ وہ بچے ہوئے کو چھوڑ کے چلا جاتا ہے۔ تھوڑا فاصلہ تھا، لومڑی مشکل سے گھسٹ گھسٹ کر اس چھوڑے ہوئے گوشت کے پاس پہنچی اور اس نے بھی اپنا پیٹ بھر لیا۔ تو اس نے کہا کہ میرا یقین کامل ہو گیا، پہلے سے بھی پختہ ہو گیا کہ اللہ بیمار کو، اپاہج کو، معذور کو، ہل چل نہ سکنے والے کو بھی دیتا ہے، تو مجھے دے گا، گھر میں بیٹھتے ہیں، اللہ خود ہی دے گا۔ تو باپ نے اس کا بڑا عقل و فہم والا جواب دیا۔ اس نے کہا کہ ”ٹھیک ہے، ایسا ہوتا ہے، اللہ سب کو دیتا ہے، لیکن میں چاہتا ہوں تم بیمار لومڑی نہ بنو، بلکہ شیر بنو، خود بھی شکار کرو، خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ تو توکل کا مطلب ہاتھ توڑ کے بیٹھنا نہیں۔“

دوسری قسم یا توکل کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ کوئی مشکل ہو، تکلیف ہو، بیماری ہو، تکلیف ہو، مصیبت ہو، مشکل ہو، دوسروں کے سامنے اس کا ذکر بھی نہ کریں۔ یہ ان کے اور مالک کے درمیان معاملات ہیں۔ یعقوب علیہ السلام کی بات:

﴿إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾ (سورة يوسف: 86)

میں اپنے غم کا اظہار صرف اللہ کے سامنے کرتا ہوں، لوگوں کے سامنے نہیں۔ یہ توکل کا دوسرا درجہ ہے۔

اس کے بعد تیسرا درجہ یہ کہ اسباب اختیار کریں یا نہ کریں، لیکن یہ اسباب نظروں سے گر جائیں، نظر میں ان کی اہمیت ہی نہ رہے کہ یہ بھی کچھ کر سکتے ہیں۔ یہ اعلیٰ درجے کا توکل ہے، اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَو أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ، لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ، تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا» (مسند أحمد: 205)

”اگر تم اللہ پر اس طرح پورا توکل کرو، جس طرح توکل کرنے کا حق ہے، تو وہ تمہیں بھی اس طرح رزق دے جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔“

پرندوں کو کس طرح دیتا ہے؟ آپ نے وضاحت فرمائی کہ صبح نکلتے ہیں خالی پیٹ اور کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ کیا ملے گا، کہاں سے ملے گا۔ شام کو آتے ہیں، ان کے معدے، ان کے پیٹ بھرے ہوتے ہیں۔ کچھ نہ کچھ انہیں ملا ہوتا ہے، اچھا خاصہ ملا ہوتا ہے، کہیں سے بھی ملے۔ ایسے متوکلین جو اعلیٰ درجے کے ہیں، ان کے بارے میں ایک حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار اور ستر ہزار کی تعداد کثرت پر دلالت کرتی ہے کہ ایک کثیر تعداد لوگوں کی بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اور آپ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ ہیں، پورا توکل کرنے والے۔ جو فالیں نہیں لیتے، بدفالی اور نیک فالی کا شکار نہیں ہوتے، سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ صحابی مجلس میں موجود تھے، انہوں نے فوراً کہا: ”اللہ کے رسول، میرے لیے دعا کریں، مجھے اللہ ان ستر ہزار میں شامل فرمادے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْتَ مِنْهُمْ» (صحيح مسلم:218)

تو انہی میں سے ہے، یعنی بات ہو گئی۔ بعد میں کسی نے کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”عکاشہ اس میدان میں آگے بڑھ گیا، اس نے پہلے درخواست کی، اس کے لیے میں نے دعا کر دی۔ اب ہر ایک کے لیے تو نہیں کروں گا۔“

توکل کا فائدہ کیا ہے؟

اس سے ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ یہ ایمان کا نتیجہ بھی ہے اور ایمان کی بنیاد بھی۔ اس سے ایمان مضبوط تر ہوتا ہے۔ دوسرا، اللہ پھر کارساز بنتا ہے، جب اس کو کارساز دل سے مان لو، کام بنانے والا مان لو، تو وہ کام بناتا ہے۔ توکل کا یہ فائدہ ہوتا ہے اور تیسرا، نفسیاتی فائدہ ہے۔ نفسیاتی فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان میں Self-Confidence خود اعتمادی آتی ہے، خود اعتمادی اس میں آتی ہے کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے، میں نے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کیا ہے، وہ یقیناً میری مدد فرمائے گا۔

توکل کے سلسلے میں اسوہ حسنہ نبی کریم ﷺ کے طریقوں سے ملتا ہے، آپ جب بھی گھر سے نکلتے، ایک دعا پڑھ کے نکلتے۔ دعا کیا ہے؟

«بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ» (جامع ترمذی: 3426)

یاد کر لیں، آسان ہے۔ آگے بھی ہے لیکن وہ نہ بھی آتی ہو، اتنے الفاظ بھی کافی ہیں:

بسم اللہ، اللہ کے نام سے، اللہ کا نام لے کر نکلتا ہوں

اور توکلت علی اللہ، میرا بھروسہ اللہ پر ہے، بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ ۔ ہر ایک کو یہ یاد کرنی چاہیے گھر سے نکلتے ہوئے۔ اور پھر آپ آگے فرماتے ہیں:
«اللَّهُمَّ أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَضِلَّ، أَوْ أُضَلَّ، أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ، أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ، أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ» (سنن أبي داؤد: 5094)

”یا اللہ، میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس بات سے کہ میں کسی کو گمراہ کروں یا کوئی مجھے گمراہ کرے، میں پھسل جاؤں یا کوئی مجھے پھسلا دے، میں کسی پر زیادتی کروں یا کوئی مجھ پر زیادتی کرے، میں جہالت کا مظاہرہ کروں یا مجھ پر کوئی جاہلانہ حملہ کرے۔“

یہ دعا کر کے نکلتے ہیں۔ کیسی عجیب اور کیسی مفید دعا ہے! لیکن اگر ساری یاد نہ ہو تو یہی کہہ دیں :
بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ

اور آپ ﷺ نے فرمایا : جو کوئی اس طرح پڑھتا ہے، تھوڑی سی دعا بڑھا کر پڑھ لے۔ اسے «بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ» (جامع ترمذی) کہہ دیں، یہ بھی آسان ہے:
«بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ على اللهِ، وَلاَ حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ» (جامع ترمذی: 3427)

آپ نے فرمایا جو اس طرح کہتا ہے، اسے کہا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ سنتا نہیں، لیکن اسے کہا جاتا ہے، آپ ﷺ نے بتایا کہ اسے کہا جاتا ہے۔ فرشتہ کہتا ہے۔«هُدِيْتَ، وَكُفِيْتَ وَوُقِيْتَ» (سنن أبي داؤد: 5095) ”تو نے ہدایت والی بات کی ہے، بڑی اچھی بات کی ہے، تیرے لیے کافی ہو گیا اللہ اور تو شر اور مصیبت سے بچا لیا گیا۔“

یہ کہنے کی وجہ سے۔ عملاً یہ تو زبانی بات تھی، آپ نے عملاً توکل کیا، کہاں کہاں کیا؟ کیسے کیسے کیا۔ طائف میں تکلیف آئی، گھیراؤ ہوا، پتھر بازی ہوئی، سنگ زنی ہوئی، تو کیا کہا؟
«إِلَيْكَ أَشْكُوْ ضعْفَ قُوَّتِي» (معجم طبراني: 139/14)

تیرے پاس ہی شکایت کرتا ہوں، تیری طرف رجوع کرتا ہوں، ان سے بچا مجھے۔ اس سے پہلے جب ابو طالب پر قوم کا دباؤ بڑھا، کہ حمایت چھوڑو اپنے بھتیجے کی، یہ ہمارے بتوں کو برا کہتا ہے کہ ان کے قبضے میں کچھ نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ کچھ Compromise کر لو، تو آپ نے کہا تھا کہ سورج اور چاند بھی اتار کے لے آئیں، میرے ہاتھوں پہ ان کا بوجھ ڈال دیں، میرے جسم پر ڈال دیں،
«مَا أَنَا بِتَارِكِهَا» (صحیح بخاری: 774)
میں اپنی ڈیوٹی نہیں چھوڑوں گا۔ یہ کیا تھا؟ یہ اللہ پر بھروسہ تھا، توکل تھا، جس نے آپ ﷺ سے یہ کہلوایا۔

ہجرت کے وقت بھی گھر کا محاصرہ تھا، تلواریں بے نیام تھیں، خون پینے کے لیے مقدس خون۔ لیکن آپ شاهت الوجوہ کہتے ہوئے گھر سے نکلے، اللہ تعالیٰ نے بینا لوگوں کو اندھا کر دیا۔ وہ نہیں دیکھ سکے، انہیں نہیں پتہ چلا، آرام سے نکل آئے۔ یہ اللہ پر توکل تھا۔ غار ثور میں ساتھی نے کہا:
«لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ نَظَرَ إِلَى قَدَمَيْهِ أَبْصَرَنَا تَحْتَ قَدَمَيْهِ» (صحیح مسلم: 6169)
”دشمن ہمارے اوپر پہنچ گیا ہے، میں نے وہ جگہ دیکھی ہے، اس کے اوپر، چھوٹی سی غار کے اوپر جگہ، دشمن وہاں تک پہنچ گیا ہے تو عرض کیا کہ وہ نیچے تھوڑا جھک کے اپنے قدموں کی طرف دیکھیں تو ہم انہیں نظر آ جائیں گے۔“

سید المتوکلین، دنیا بھر میں توکل کرنے والوں کے سردار، ہمارے نبی اکرم ﷺ نے کیا فرمایا؟
«مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللهُ ثَالِثُهُمَا» (صحیح بخاری: 3653)

ابو بکر، ان دو بندوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے، ان کو کیسے کوئی پکڑے گا؟ دیکھتے رہیں نیچے، کیسے ہمیں پکڑیں گے، کیسے ہمیں دیکھیں گے۔ پھر ایک موقع پر رسول کریم ﷺ پر توکل کی آیت کریمہ آئی۔
﴿ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (سورة المائدة: 67)

اے رسول، پہنچا دے جو اللہ کی طرف سے آپ پر نازل ہوا۔ نہیں کریں گے، نہیں پہنچائیں گے تو حق رسالت ادا نہیں ہو گا اور لوگوں کی پرواہ نہ کریں۔ لوگوں کی دشمنیوں کی پرواہ کریں۔ اللہ آپ کی حفاظت کرے گا۔ آپ ﷺ نے خیمے کا پردہ ہٹایا، پہرے پر جو صحابی کھڑے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”جاؤ اپنے اپنے خیموں میں آرام کرو۔ اس نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا۔

ایک اور سفر میں الگ خیمے میں آرام کر رہے تھے، دوپہر کا وقت، سب اپنے اپنے خیموں میں تھے۔ ایک بدو آیا، اس نے آپ ہی کی تلوار اتاری، جو ساتھ ہی لٹکی ہوئی تھی، اتاری۔ وہ بہادر آدمی تھا، اس نے آپ ﷺ کو جگایا، سوتے ہوئے پر وار نہیں کیا۔ جگایا اور کہا: "مَنْ يَعْصِمُكَ مِنِّيْ." (السلسلة الصحيحة: 2489)

” بتاؤ محمد ﷺ، تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟“ توکل کی بات، آپ نے ایک لفظ میں جواب دیا، فرمایا: ”اللہ۔“ اللہ اور اس جوش سے، اس جذبے سے، اس توکل سے، اس اعتبار سے کہا کہ اس کا ہاتھ کانپا اور تلوار نیچے گر گئی۔ آپ نے وہی تلوار اٹھائی، آپ نے فرمایا: ”اب تمہیں کون بچائے گا؟“ وہ تو مومن نہیں تھا، وہ تو متوکل نہیں تھا۔ اس نے کہا:
”آپ مہربانی فرمائیں گے تو بچوں گا ورنہ کوئی صورت نہیں۔“ تو آپ نے فرمایا: ”جاؤ، چپکے سے نکل جاؤ۔“

یہ ہے وہ توکل جس کی مثالیں آپ نے قائم کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی دولت اور توکل سے سرفراز فرمائے۔



منہ لگا کر پانی پینے کا جواز

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ حَائِطَهُ، وَمَعَهُ صَاحِبٌ لَهُ فَقَالَ:

«إِنْ كَانَ عِنْدَكَ مَاءٌ بَاتَ اللَّيْلَةَ فِي شَنَّةٍ وَإِلَّا كَرَعْنَا.»

قَالَ: وَالرَّجُلُ يُحَوِّلُ الْمَاءَ فِي حَائِطِهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَاءٌ بَاتَ أَظُنُّهُ فِي شَنَّةٍ فَانْطَلِقْ إِلَى الْعَرِيشِ، قَالَ: فَانْطَلَقَ فَسَكَبَ مَاءً فِي قَدَحٍ ثُمَّ حَلَبَ عَلَيْهِ مِنْ دَاجِنٍ لَهُ قَالَ: فَشَرِبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ شَرِبَ الَّذِي دَخَلَ مَعَهُ

(صحيح بخاری، كتاب الأشربة، باب شوب اللبن بالماء: 5613، مسند أحمد:3/343)

”رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کے پاس اس کے باغ میں گئے، آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے ایک صحابی بھی تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہارے پاس کسی مشکیزے میں رات کا پانی پڑا ہوا ہے (تو ہمیں دو) وگرنہ ہم منہ لگا کر پی لیں گے۔ وہ آدمی اپنے باغ کو پانی لگا رہا تھا، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرا خیال ہے کہ مشکیزے میں رات کا پانی پڑا ہوا ہے آپ ﷺ چھپّر میں تشریف لے چلیں۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ وہاں چلے گئے اور اس آدمی نے ایک پیالے میں پانی لیا، پھر اس میں اپنی ایک دودھ دینے والی بکری کا دودھ نکالا، راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دودھ پیا اور پھر اس صحابی نے جو آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔“

میٹھا پانی طلب کرنے کا بیان

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَقِي لَهُ الْمَاءَ الْعَذْبَ مِنَ السُّقْيَا.

(سنن أبوداؤد، كتاب الأشربة، باب في إيكاء الآنية:3735)

”رسول اللہ ﷺ سُقیا نامی چشمے سے اپنے لیے میٹھا پانی منگوایا کرتے تھے۔“

مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پینے کی ممانعت

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ

أُخْبِرُكُمْ بِأَشْيَاءَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

«لَا يَشْرَبُ أَحَدُكُمْ مِنْ فَمِ السِّقَى.»

(صحيح بخاری، كتاب الأشربة، باب الشرب من فم السقاء: 5628، سنن ابن ماجه، كتاب الأشربة، باب الشرب من في السقاء: 3420)

”میں رسول اللہ ﷺ سے (سُنی ہوئی) کچھ باتیں تمہیں بتاتا ہوں، (ان میں سے ایک یہ ہے کہ) تم میں سے کوئی شخص مشکیزے کے منہ سے (اپنا منہ لگا کر) نہ پیے۔“

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

«أَنَّهُ نَهَى أَنْ يَشْرَبَ الرَّجُلُ مِنْ فِي السِّقَى.» قَالَ أَيُّوبُ: نُبِّئْتُ أَنَّ رَجُلًا شَرِبَ مِنْ فِي السِّقَى فَخَرَجَتْ حَيَّةٌ.

(صحيح بخاری، كتاب الأشربة، باب الشرب من فم السقاء: 5628، سنن ابن ماجه، كتاب الأشربة، باب الشرب من في السقاء: 3420)

”آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ آدمی مشکیزے کو منہ لگا کر پیے۔ سیدنا ایوبؒ کہتے ہیں کہ کسی نے مجھے بتلایا کہ ایک آدمی نے مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پیا تو اس سے سانپ نکل آیا۔“

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ اخْتِنَاثِ الْأَسْقِيَةِ أَنْ يُشْرَبَ مِنْ أَفْوَاهِهَا

(صحيح بخاری، كتاب الأشربة، باب تغطية الإناء: 5562، صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما: 2023)

”نبی ﷺ نے مشکیزوں کا منہ کھول کر ان کے مونہوں سے پینے سے منع فرمایا ہے۔“

لہٰذا پانی کو پہلے کسی برتن میں نکال لینا چاہیے تا کہ تسلی ہو سکے کہ اس میں کوئی موذی چیز تو نہیں ہے اور پھر پینا چاہیے۔

مشروب میں مکھی گر جائے تو کیسے نکالنا چاہیے؟

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا سَقَطَ الذُّبَابُ فِي شَرَابِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهُ ثُمَّ لِيَنْزِعْهُ، فَإِنَّ فِي أَحَدِ

جَنَاحَيْهِ دَاءً، وَفِي الْآخَرِ شِفَاءً.»

وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ: «وَإِنَّهُ يَتَّقِي بِالْجَنَاحِ الَّذِي فِيهِ الدَّاءُ.»

(صحیح بخاری، كتاب الطب، باب إذا وقع الذباب في الإناء: 5782، سنن أبوداؤد، كتاب الأطعمة، باب في الذباب يقع في الطعام: 3844، سنن نسائی، كتاب الفرع والعتيرة، باب الذباب يقع فی الإناء: 4262، سنن ابن ماجه، كتاب الطب، باب يقع الذباب في الإناء: 3505)

”جب تم میں سے کسی کے مشروب میں مکھی گر جائے تو اسے پہلے ساری کو ڈبونا چاہیے اور پھر اسے باہر نکالنا چاہیے، کیونکہ اس کے ایک پَر میں بیماری ہوتی ہے اور دوسرے پَر میں شفا ہوتی ہے۔

اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ وہ اپنے بیماری والے پَر سے اپنا بچاؤ کرتی ہے۔“

کھانے پلانے میں داہنی جانب سے ابتداء

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَأَنَا ابْنُ عَشْرٍ وَمَاتَ وَأَنَا ابْنُ عِشْرِينَ، وَأُمَّهَاتِي كُنَّ يُحَثِّثْنَنِي عَلَى خِدْمَتِهِ، فَدَخَلَ عَلَيْنَا دَارَنَا، فَحَلَبْنَا لَهُ مِنْ شَاةٍ دَاجِنٍ، وَشِيبَ لَهُ مِنْ بِئْرٍ فِي الدَّارِ، فَشَرِبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبُو بَكْرٍ عَنْ يَسَارِهِ، وَأَعْرَابِيٌّ عَنْ يَمِينِهِ، وَعُمَرُ نَاحِيَتَهُ، فَقَالَ عُمَرُ: نَاوِلْ أَبَا بَكْرٍ، فَنَاوَلَهُ الْأَعْرَابِيَّ، وَقَالَ: «الْأَيْمَنُ فَالْأَيْمَنُ.»

(صحیح بخاری، كتاب المساقاة، باب في الشرب، ومن رأى صدقة الماء وهبته ووصيته جائزة: 2352، صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب استحباب إدارة الماء واللبن ونحوهما عن يمين المبتدئ: 2029)

”نبی ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو میں دس برس کا تھا اور جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت میری عمر بیس سال تھی اور میری مائیں مجھے آپ ﷺ کی خدمت کی ترغیب دلاتی رہتی تھیں، ایک بار آپ ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے تو ہم نے دودھ دینے والی ایک بکری کا دودھ نکالا اور اس میں گھر کے کنویں کا پانی ملا کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، تو (پہلے) رسول اللہ ﷺ نے پیا، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بائیں جانب بیٹھے تھے، ایک بدوی صحابی آپ ﷺ کے دائیں جانب تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک سائیڈ پہ بیٹھے ہوئے تھے، سو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیجیے، لیکن آپ ﷺ نے بدوی صحابی کو دے دیا اور فرمایا: پہلے دائیں جانب والا، پھر اس کے دائیں والا۔“

سیدنا سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَمِينِهِ غُلَامٌ وَعَنْ يَسَارِهِ الْأَشْيَاخُ، فَقَالَ لِلْغُلَامِ: «أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَ هَؤُلَاءِ؟.»

فَقَالَ الْغُلَامُ: لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَا أُوثِرُ بِنَصِيبِي مِنْكَ أَحَدًا، قَالَ: فَتَلَّهُ فِي يَدِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(صحیح بخاری، كتاب المساقاة، باب في الشرب، ومن رأى صدقة الماء وهبته ووصيته جائزة: 2351، صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب استحباب إدارة الماء واللبن ونحوهما عن يمين المبتدئ: 2030)

”رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی مشروب لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس سے کچھ پی لیا، آپ ﷺ کے دائیں جانب ایک غلام بیٹھا تھا جبکہ بائیں جانب بڑے بڑے بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، آپ ﷺ نے غلام سے فرمایا: کیا تم مجھے اس کی اجازت دیتے ہو کہ (پہلے) میں ان لوگوں کو پلا دوں؟ تو غلام نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم میں آپ ﷺ سے بچے ہوئے اپنے حصے پر کسی کو ترجیح نہیں دوں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ہاتھ میں دودھ تھما دیا۔“

ساقی سب سے آخر میں پیے۔

سیدنا عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَصَابَهُمْ عَطَشٌ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْقِيهِمْ، فَقِيلَ: أَلَا تَشْرَبُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: «سَاقِي الْقَوْمِ آخِرُهُمْ.»

(سنن أبوداؤد، كتاب الأشربة، باب في الساقي متى يشرب؟: 3725، مسند أحمد: 354/4، صحيح الجامع للألباني:2088)

”ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، لوگوں کو پیاس لگی تو رسول اللہ ﷺ انہیں پانی پلانے لگے، (آپ ﷺ سے) کہا گیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ﷺ نہیں پییں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو پلانے والا ان کے آخر میں پیتا ہے۔“

کھانا کھانے کے بعد کی دعا

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رُفِعَ الْعَشَاءُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ قَالَ:

«الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ، وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا.»

(صحيح بخاري، كتاب الأطعمة، باب ما يقول إذا فرغ من طعامه: 5458، سنن أبوداؤد، كتاب الأطعمة، باب ما يقول الرجل إذا طعم: 3849)

"جب نبی ﷺ کے سامنے سے شام کا کھانا اُٹھا لیا جاتا تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے:

اَلْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا

"تمام تر تعریفات اللہ تعالیٰ کے واسطے ہیں بہت زیادہ تعریف، اے ہمارے پروردگار! بہت پاکیزہ اور بابرکت کھانا تھا، نہ تو اس میں کفایت سے کام لیا گیا، نہ اسے چھوڑ دیا گیا اور نہ ہی اس کے بغیر رہا جا سکتا ہے۔"

سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ قَالَ:

«الْحَمْدُ لِلَّهِ، أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا، فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَ.»

(صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب ما يقول عند النوم وأخذ المضجع: 2715، سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب ما يقال عند النوم:5053، سنن ترمذی، أبواب الدعوات، باب ما جاء في الدعاء إذا أوى إلى فراشه:3396)

"رسول اللہ ﷺ جب اپنے بستر پر لیٹتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَلْحَمْدُ لِلَّهِ، أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا، فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَ

"تمام تر تعریفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں کھلایا، ہمیں پلایا، ہمیں (ہر حاجت وتکلیف سے) کافی ہوا اور ہمیں (رہنے کے لیے) جگہ دی، سو کتنے ہی لوگ ایسے ہیں کہ جنہیں نہ تو کوئی کفایت کرنے والا ہے اور نہ ہی جگہ دینے والا۔"

☆☆☆

ڈڈلی کے اکرام الحق جنجوعہ چل بسے!

ڈڈلی کے متواضع شخصیت جناب اکرام الحق جنجوعہ 69 سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔

مرحوم عرصہ سے بیمار تھے، اللہ کریم ان کی علالت کو ان کے گناہوں کا کفارہ بنائے اور ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور ان کے گناہوں کو معاف فرمائے اور جنت الفردوس میں انہیں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

جامع مسجد ڈڈلی میں ڈاکٹر عبد الرب ثاقب نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، جس میں برطانیہ بھر سے عزیز واقارب شریک تھے۔ مسجد سے قریب قبرستان میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ ڈاکٹر راجہ منیر مرحوم کے قریبی تھے اور جناب محمد عمر مرحوم کے نسبتی برادر تھے۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ ....

☆☆☆

مولانا عبد الرحمٰن کاشمیری فی ذمۃ اللہ

مولانا عبد الرحمٰن کاشمیری جن کا تعلق کوٹلی آزاد کشمیر سے تھا۔ 65 سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ مرحوم ایک کامیاب استاذ اور خطیب تھے اور اچھے اخلاق وکردار کے حامل تھے۔ تقریباً برطانیہ کی بہت سی مساجد میں وہ امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ واضح ہو کہ ان کے والد ماجد قاری محمد دین، اسلام گڑھ مسجد کے معروف خطیب تھے، اللہ کریم ان کے بچوں کو مرحوم کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

☆☆☆

سفیان الثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"بلغني أن أصحابَ محمدٍ ﷺ كانوا يتعوّذون أن يُدرِكوا هذا الزمان، وكان لهم من العلم ما ليس لنا، فكيف بنا حين أدركناه على قلّةِ علمٍ وبصرٍ، وقلّةِ صبرٍ، وقلّةِ أعوانٍ على الخير، مع كدرٍ من الزمان وفسادٍ من الناس".

"مجھے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے صحابہ اس (فتنے والے) زمانے سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے، حالانکہ ان کے پاس وہ علم تھا جو ہمارے پاس نہیں۔ تو ہمارا کیا حال ہے جب ہم نے یہ زمانہ پایا ہے؟ علم اور بصیرت کم ہیں، صبر کم ہے، نیکی پر مددگار کم ہیں، زمانہ مکدر ہے اور لوگ بگڑے ہوئے ہیں۔"

(الجرح والتعدیل: 1/87)

☆☆☆

امام ابن عقیل الحنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

میں نے لوگوں کے احوال کا جائزہ لیا تو بڑا ہی عجیب معاملہ پایا۔۔۔

وہ گھروں کے اجڑنے پر روتے ہیں، پیاروں کی موت پر آہیں بھرتے ہیں، معاشی تنگ دستی پر حسرتیں کرتے ہیں اور زمانے کو برا بھلا کہتے ہیں!

حالانکہ وہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کی عمارت گر رہی ہے، دین فرقوں میں بٹ چکا ہے، سنتیں مٹ رہی ہیں اور بدعات کا غلبہ ہے، گناہوں کی کثرت ہے!

لیکن ان میں سے اپنے دین کیلیے رونے والا کوئی نہیں ہے۔

اپنی عمر برباد کرنے پر کسی کو افسوس نہیں ہے، اپنے وقت کو ضائع کرنے پر کوئی غم نہیں ہے!!

اور میں اس سب کا ایک ہی سبب دیکھتا ہوں کہ دین ان کی نظروں میں ہلکا ہو گیا ہے اور دنیا ان کی فکروں کا محور بن چکی ہے۔

(الآداب الشرعیۃ لابن مفلح: 3/240)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

اساطین جماعت اہلحدیث، حیدر آباد

محمد سرور محمدی رحمہ اللہ: توحید وسنت کی ایک شناخت

جناب محمد سرور محمدی رحمہ اللہ، جمعیت اہلحدیث حیدر آباد دکن کے ایک معروف متبع سنت فرد تھے جو توحید وسنت کی ایک شناخت کے طور پر جانے وپہچانے جاتے۔

بقضائے الٰہی 8ر رمضان المبارک 1417ھ ر مطابق 18 جنوری 1997ء روز شنبہ بوقت ڈھائی بجے سہ پہر بعد نماز ظہر اچانک آناً فاناً داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

جمعہ کے دن سنیچر کی شب نماز تراویح باجماعت ادا کی، نماز کے بعد حسب معمول خطاب کیا، جب گھر پہنچے تو کچھ کمزوری محسوس کی۔ انھیں اپنے شخصی ڈاکٹر سے رجوع کیا گیا تو اس نے کہا کہ ان کا بلیڈ پریشر بہت کم ہو گیا ہے، فوری بڑے اسپتال لے جائیں ان کا ای سی جی نکالنا ضروری ہے۔ لہٰذا فوری، قریبی مشہور، در شہوار اسپتال پہنچایا گیا جہاں ان کا ای سی جی نکالا گیا۔ رپورٹ پر ڈاکٹر اپنی رائے قائم کر ہی رہے تھے کہ زبان پر جاری" اللہ، اللہ" کلمات کی آواز بند ہو گئی۔ ڈاکٹروں نے تصدیق کر دی کہ مولانا کا انتقال ہو چکا ہے۔۔۔

اس طرح کے خوش نصیب اہل ایمان کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من كان آخر كلامه لا إلٰه إلا الله دخل الجنة

"جس کی آخری بات لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہو گا۔" (سنن ابو داؤد)

غیر یقینی موت:

عوام کو توحید کی دعوت دیتے ہوئے اور سنت کا وعظ سناتے ہوئے، ہنستے بولتے، چلتے پھرتے، گھر سے مسجد اور مسجد سے گھر اور گھر سے سواری تک اور سواری سے دواخانہ کے ای سی جی روم تک پیدل چلتے ہوئے " اللہ اللہ " کی حمد وثنا ورد زبان رکھتے ہوئے، اپنے مکمل ہوش و ہوا س کے ساتھ حیدر آباد دکن کی ساری جماعت اور اپنے متعلقین کو حیرت میں ڈال کر غیر یقینی موت کے آغوش میں ابدی نیند سو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾

"جب ان کا مقررہ وقت آتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔" (الاعراف)

تدفین:

موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح حیدر آباد اور نواحی علاقوں کے علاوہ بیرون ملک پھیل گئی اور صرف چار گھنٹوں کے مختصر وقت میں اسی دن نماز عشاء کے بعد ہزار ہا سوگواروں کی موجود میں مسجد اہلحدیث شعبان خان کے عقبی حصہ سے متصل، محلہ فتح دروازہ کے عام قبرستان میں سپرد لحد کیا گیا۔ مرحوم کے برادر اکبر مولانا محمد افضل محمدی نے نماز جنازہ پڑھائی اور تجہیز و تکفین کے فرائض سنت کے مطابق انجام دیئے۔

نماز جنازہ:

نماز جنازہ مسجد اہلحدیث فتح دروازہ میں پڑھی گئی جس میں ہزار ہا مرد وخواتین شریک تھے، سہ منزلہ مسجد اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی جس کی وجہ سے دو بار نماز پڑھی گئی۔

جلوس جنازہ:

جلوس جنازہ میں بلا تفریق مذہب وملت ہزار ہا افراد شریک تھے۔ پولیس نے شدید از دہام کے پیش نظر ٹریفک کے لئے راستہ کا رخ بدل دیا تھا۔ کیونکہ مسجد اور قبرستان دونوں شارع عام پر واقع ہیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿كل من عليها فانٍ، وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالجَلَالِ وَالإِكْرَام﴾

"زمین پر جتنی چیزیں ہیں سب فنا ہونے والی نہیں، تیرے مالک کی ذات باقی رہے گی جو عزت وبزرگی والی ہے۔" (سورۃ الرحمن:26۔27)

آخری دیدار:

پست قد، تازہ میت، کھڑا چہرہ اور ایک میٹر لمبی اتباع سنت کی غماز گھنی سیاہ وسفید مائل داڑھی نے چہرہ کو اس قدر منور وروشن بنا دیا تھا کہ

ہر دیدار کنندہ آبدیدہ ہو کر سبحان اللہ کہتا رہ گیا۔

نشان مرد مؤمن با تو گویم
چون مرگ آمید تبسم بر لب اوست

اَللّٰهُمَّ اغفر له وارحمه

پسماندگان:

اہلیہ، صاحبزادیاں 8، صاحبزادے 8، قابل ذکر مولانا ڈاکٹر محمد عبد الرب ثاقب عمری (لندن، برمنگھم)، عبدالقدیر محمدی، عبد الحق محمدی مولوی عبد الخالق عمری (حیدر آباد) برادران 3، مولانا محمد افضل محمدی

(امیر جماعت اہلحدیث فتح دروازہ)، محمد جان، محمد قاسم (حیدر آباد) بھتیجے 3، محمد عبد الرحمن ندوی (دوحہ قطر) مولانا محمد عبداللہ عمری و مدنی (جامعہ دار السلام عمر آباد)، مولانا محمد عبد الہادی عمری و مدنی (برمنگھم-لندن)

اللہ تعالیٰ ان تمام کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

حالات زندگی دینی خدمات، عبرت و نصیحت

مقام پیدائش اور ماحول:

محمد سرور بن محمد فضل علی حیدر آباد سے کوئی ساٹھ میل دور صوبہ آندھرا پردیش کے ایک معروف ضلع ،نلگنڈہ کے ایک چھوٹے گاؤں " اڈاگروڑ" میں غالباً 1924ء میں پیدا ہوئے۔ یہ علاقہ، جیسا کہ والد کے نام سے ظاہر ہے۔ عقائد اہل تشیع کے زیر اثر تھا۔ شرک، بدعات اور خرافات، تعزیہ داری، عَلَم پرستی، نذر و نیاز، فاتحہ خوانی، فاتحہ سیوم، دہم، چہلم، برسی، بارہ امام کی فاتحہ، بی بی کی صحنک، رجب کے کونڈے، ہر جمعرات اور پیر کو بارہ انڈوں کی فاتحہ، یہ وہاں کا دین و ایمان تھا اور عاشور خانے، جو صرف یکم محرم تا دس محرم کھلتے اور تعزیہ داری اور علم ایستادگی سے معمور رہتے، یہی وہاں کی عبادت گاہیں تھیں۔ اور شعلہ زن آگ کے الاؤ پر طواف، ناچ اور مرثیہ خوانی یہ وہاں کی تسبیح تھی اور ہر سال علم اور تعزیوں کے چڑھانے اور نذرانے، اور ان کی خدمت کے لئے مشروط طور پر شیعی حکمرانوں کی موقوفہ آراضی کی پیداوار ان کی غذا تھی اور صرف عید و بقر عید کی نماز ان کے لئے تبرک تھی اور اسی ماحول سے متاثر ان کے آباؤ اجداد تھے اور انہیں مشروط الخدمت عاشور خانوں کے وہ مجاور تھے اور صرف فاتحہ خوانی اور قل اعوذ برب الفلق ور ر قل اعوذ برب الناس اور التحیات اور درود کا جاننے والا اور رسوم و رواج کی تاریخوں کو بتانے والا ان کا بڑا عالم تھا۔

ولادت:

ایسے ماحول میں جناب محمد سرور صاحب اور ان کے برادر اکبر جناب محمد افضل صاحب (جو بفضل تعالیٰ بقید حیات اور علمبردار کتاب و سنت، اور ابو العلماء سے معروف ہیں۔) پیدا ہوئے اور تربیت پائی۔ یہ دونوں اپنے والدین کی برسہا برس کی آرزوؤں، تمناؤں اور دعاؤں کا نتیجہ تھے۔ کیونکہ والدین عرصہ تک لاولد تھے۔

ان مذکورہ عقائد کے تحت بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی والدہ محترمہ جن کا نام رابعہ بی تھا، جو ایک دیندار اور نیک خاتون تھیں۔ ایک مرتبہ اپنے گھر میں ایک چڑیا "گوریا" پکڑی پھر اس پر رحم کھایا اور اللہ تعالیٰ سے منت مانگ کر اس کو رہا کر دیا کہ اے اللہ! اس کے عوض میری گود بھر دے۔ لہٰذا چند دنوں کے بعد اللہ کے فضل و کرم سے ایک فرزند کی نوید ہوئی۔ اس کی پیدائش پر والدین فرط مسرت سے جھوم اٹھے اور اس کا نام 'محمد افضل' رکھا۔

وجہ تسمیہ: ضلع نلگنڈہ میں دو مشہور بزرگ " افضل بیابانی، سرور بیابان" گزرے ہیں۔ جن کی قبریں آج بھی مرجع خلائق ہیں۔ ہر سال بڑی دھوم سے۔ ان کا عرس منایا جاتا ہے۔ عقیدتمند والدین نے اپنے اس منتی بچہ کا نام " محمد افضل" لکھا۔ ایک بزرگ کے نام سے مطابقت اللہ کے فضل سے ہو چکی تھی، اب دوسرے بزرگ سے انتساب کی آرزو نے دل میں انگڑائی لی کچھ وقفہ کے بعد دوسرے بچہ نے بھی بفضل تعالیٰ جنم لیا، جس کا نام "محمد سرور" رکھا گیا۔

اس طرح والدین کی آرزو اور تمنا کے مطابق یہ دونوں بزرگ گھر میں رونق افروز ہو گئے۔

یہ مشرکانہ عقائد ان کے نزدیک دینی عقائد تھے۔ لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ بفضل الٰہی حقیقت میں یہ دونوں بچے مستقبل میں توحید کے علمبردار اور حاملین کتاب و سنت بنیں گے اور ان کی کوکھ سے جنم پانے والی اولاد علماء حق اور داعیان شرع متین ہوں گے۔ الحمد للہ اس خاندان میں اس وقت تقریباً بیس مستند علماء و فارغین، نواح عالم میں اپنی دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

وطن سے ہجرت:

محمد سرور اور ان کے برادر اکبر محمد افضل کمسنی ہی میں اپنی ماں کی شفقت اور محبت سے محروم ہو گئے۔ والد محترم نے انہیں تعلیم اور تربیت کے لئے ضلع کے مستقر نلگنڈہ بھیجا، جہاں صرف میٹرک تک تعلیم کا انتظام تھا اور اس دور میں بھی اعلیٰ تعلیم تصور کی جاتی تھی۔ لیکن زمانہ کے ستم زدہ حالات نے تعلیم کی تکمیل سے انہیں باز رکھا، بڑے بھائی نے ہفتم تک تعلیم حاصل کی جبکہ چھوٹے بھائی نے اپنی کم عمری کی وجہ سے ابتدائی تعلیم ہی حاصل کر سکے۔ وہاں کے نامساعد حالات نے ان دونوں بھائیوں کو شہر حیدر آباد ہجرت کر جانے پر مجبور کیا۔ لہٰذا دونوں بھائیوں نے انتہائی کسمپرسی کی حالت میں نلگنڈہ سے حیدر آباد (تقریباً ستر میل) پیادہ سفر طے کیا اور چھوٹے بھائی نے سکندر آباد میں ایک غیر مسلم ہندو تاجر جن کا نام پاریلی پچھیا تھا، کے ہاں معمول تجارت کی ملازمت (سیل مین) اختیار کر لی اور اپنی گزر بسر کرنے لگے اور بڑے بھائی محمد افضل نے حیدر آباد کے ایک محلہ کا چیگوڑہ کے مشہور یتیم خانہ "انجمن خادم المسلمین" میں داخلہ حاصل کر لیا، اور وہاں چمڑا سازی، اور کفشن دوزی کی فنی تعلیم حاصل کی اور نلگنڈہ میں شوز کمپنی قائم کی، لیکن خسارہ کی وجہ سے اس کو برخواست کر دیا اور حیدر آباد آکر اپنے چھوٹے بھائی کی کمپنی میں بحیثیت محاسب ملازمت اختیار کی۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد سکندر آباد پوسٹ آفس میں بحیثیت پوسٹ مین منتخب ہوئے۔

اس طرح ان دونوں برادران نے نہایت عسرت کے ساتھ اپنے وطن عزیز کو خیر باد کیا اور حیدر آباد کو اپنا مستقر بنایا اور ایک طویل جفاکشی مرحلہ کے بعد خوش حال گھرانوں میں شمار کئے جانے لگے۔ عوام میں یہ دونوں برادران جڑواں نام ”سرور صاحب اور افضل صاحب“ سے معروف ہوئے اور اسی جڑواں نام سے لوگ انہیں جانتے اور پہچانتے۔ اسی طرح آپس میں ان کی میل و محبت اس قدر تھی کہ لوگ انہیں ”دو ہنسوں کا جوڑا“ کہا کرتے تھے۔

ہدایت:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

”اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت سے سرفراز کرتا ہے۔“ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 213)

آپ نے سطور بالا میں جناب محمد سرور صاحب کے جن ابتدائی حالات کا مطالعہ کیا ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ موصوف نے ”مشرکانہ“ ماحول میں پرورش پائی ہے۔ لیکن فطرتاً وہ بچپن ہی سے دینی مزاج رکھتے اور غیر شرعی امور سے طبعاً نفرت کرتے اور اپنے خاندان کی ان حرکتوں پر نکتہ چینی کرتے اور تعزیہ داری اور علم پرستی سے جس سے ان کے آباؤ اجداد متمسک تھے، مخالفت کرتے۔

حیدر آباد میں قیام:

جب وہ حیدر آباد منتقل ہو گئے تو سکندر آباد کے ایک محلہ چلکل گوڑہ میں سکونت اختیار کی اور دونوں بھائی یہیں رہنے لگے، لیکن کچھ عرصہ بعد حیدر آباد کا مشہور بدنام زمانہ پولیس آکشن برپا ہو گیا۔ جس کی وجہ سے یہ دونوں بھائی اس محلہ سے کوچ کر گئے اور ایک قریبی محلہ مشیر آباد منتقل ہو گئے۔

مشیر آباد مرکز ہدایت:

مشیر آباد میں ایک مکان کرایہ سے حاصل کیا اور مطمئن زندگی گزارنے لگے۔

گھر سے متصل ایک موجود دیندار اہلحدیث رہا کرتے تھے جن کا اسم گرامی محمد شوکت علی رحمہ اللہ تھا، یہ تاجر تھے، چھوٹی کٹلری کی دوکان چلاتے۔ اب بھی یہ دوکان اسی مقام پر موجود ہے جس کو ان کے ایک صاحبزادے چلاتے ہیں۔ یہ بڑے حق گو، خاموش مبلغ تھے۔ موصوف نے مہدوی عقائد پر کافی کام کیا ہے، اس لئے مہدوی حضرات ان کے سخت ترین مخالف تھے۔ انہوں نے اپنا تخلص ”کڑوا“ رکھا تھا۔ جس سے وہ جانے پہچانے جانے اور لوگ انہیں طنزاً ”شوکت علی کڑوا“ کہتے۔

گھر سے متصل دوکان رہنے کی وجہ سے محمد سرور صاحب کی اکثر بیٹھک وہاں ہوا کرتی اور مختلف مسائل پر بحث و تکرار چلتی، رسم و رواج، شرک و بدعات پر تبادلہ خیال ہوا کرتا۔ جب کچھ بات سمجھ میں آنے لگی تو انہوں نے اپنے خاندانی عقائد کی اصلاح شروع کر دی۔ چونکہ بڑے بھائی محمد افضل صاحب ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔ اس لئے ان کی دعوت کا پہلا نشان یہی بنے۔ یہ مزاج کے بڑے متنوع اور تیز تھے۔ کچھ تعلیم یافتہ اور سرکاری ملازم تھے اور اپنے آبائی عقائد کے مؤید بھی اور دینی مزاج سے عاری بھی۔ برادر خورد کی اصلاحی باتیں ان کے لئے کسر شان تھیں۔ بے اعتنائی سے کام لیتے اور اپنے بھائی کو زجر و توبیخ کیا کرتے۔ جیسا کہ آپ بھی زمانہ کی ریت ہے کہ

خطائے بزرگان گرفتن خطا است

ہدایت کا چراغ، مولانا ابو الجمیل محمد یٰسین رحمہ اللہ نصرت آبادی کی صحبت:

مولانا ابو الجمیل محمد یٰسین نصرت آبادی، ایک جید اہلحدیث عالم دین تھے، حیدر آباد کے پولیس آکشن میں رائچور سے حیدر آباد منتقل ہو کر محلہ شیر آباد میں فروکش تھے۔ ان کا اصل وطن سگر ہے جو صوبہ کرناٹک کا ایک چھوٹا گاؤں ہے۔ بڑے متحرک اور فعال تھے، سیماب صفت کے حامل، شیریں بیان، قادر الکلام، سحر بیان مقرر تھے۔ قرآن حدیث فقہ اور صرف و نحو پر انہیں بڑا نتیجہ حاصل تھا، وقت کے بڑے مناظر تھے، قادیانیوں کے خلاف کرناٹک کے علاقوں میں کئی مناظرے کئے تھے۔ ان کے انتقال کی خبر سن کر قادیانیوں نے فرط مسرت میں گھی کے چراغ جلائے تھے۔ کرناٹک کے کئی علاقوں میں درس و تدریس اور دعوتی خدمات انجام دیں۔ حیدر آباد کے قیام کے دوران محلہ مشیر آباد میں ایک دینی مدرسہ نسوان قائم کیا، جو اب بھی قائم ہے اور ان کے فرزند اکبر ڈاکٹر محمد عبد الصمد صدانی فاضل اس کے ناظم ہیں، عمر کے آخری حصہ تک مولانا نے اس کی مثال خدمات انجام دیں۔

کئی طالبات نے وہاں سے فراغت حاصل کی، تدریس کا انداز نہایت ہی پختہ تھا۔ بالغان ذکور کے لئے بھی فجر بعد ایک جماعت قائم کی تھی جس میں صرف و نحو اور عربی ادب اور ترجمہ قرآن مجید و تفسیر کی تعلیم ہوتی، سیکڑوں بالغین نے استفادہ کیا اور ہر جمعرات کو مسجد اہلحدیث چوراہا مشیر آباد میں خطاب عام رہتا جس میں مرد و خواتین کثیر تعداد سب شریک ہوتے اور یہ روز عشاء اور فجر کے بعد درس قرآن و حدیث رہتا۔ مولانا کی یہ تمام خدمات اعزازی تھیں کسی جانب سے نہ کوئی تنخواہ مقرر تھی اور نہ کسی سے ایک پیسہ لیتے، خود متقی، بڑے خود دار اور غیور عالم دین تھے۔ ان کے درس میں اہلحدیث اور غیر اہلحدیث علماء اور تعلیم یافتہ احباب بڑی کثرت سے شریک ہوتے۔ بہت دور دراز علاقوں سے حاضر ہوتے تھے۔

1965ء میں اپنے مدرسہ ہی میں انتقال ہوا۔

جناب محمد شوکت علی کو بھی مولانا سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ موصوف نے جناب محمد سرور کی ملاقات

مولانا موصوف سے کرادی، یہ مولانا کے درس میں پابندی سے شریک رہتے۔ ان دروس سے جناب محمد سرور بڑے متاثر ہوئے اور اپنے بڑے بھائی جناب محمد افضل کو بھی ان دروس میں شرکت کی دعوت دینے لگے۔ بالآخر بڑے بھائی نے بادل ناخواستہ چھوٹے بھائی کی دعوت قبول کی اور مولانا کے درس میں شریک ہونے لگے۔ الحمد للہ حق بات دل میں اترتی چلی گئی، اب غور کرنا شروع کر دیا کہ حق کیا ہے؟

یہ فکر دن دونوں بھائیوں کی ہدایت کا نقطہ آغاز تھی۔ جب دونوں بھائی ہم خیال ہو گئے اور اپنے خاندانی عقائد پر غور وفکر شروع کیا تو تجسس نے دل میں انگڑائی لی، اور ٹھان لیا کہ اپنے مرشد سے، جن کے یہ مرید تھے۔ اس سلسلہ میں گفت وشنید کی جائے۔

مخفی مبارکہ یہ دونوں برادران اور ان کے والد اور خاندان کے کچھ افراد حیدر آباد کے ایک معروف مرشد کے مرید تھے۔

مرشد سے تبادلۂ خیال:

محمد سرور صاحب میں دینی تجس بہت زیادہ تھا، لہٰذا وہ فجر کی نماز بعد اپنے مرشد سے استفسار اور تبادلہ خیال کے لئے جایا کرتے، کئی دن کی اس تگ ودو کے بعد مرشد صاحب نے انہیں ان عالم دین ملاقات کرنے اور ان کے درس میں سمجھنے سے منع فرمادیا۔

جب یہ بات ان کے بڑے بھائی محمد افضل صاحب کو معلوم ہوئی تو ایک دن دونوں بھائیوں نے یہ ٹھان لے کہ کسی دن ہم مرشد کے ہاں چل کر تبادلۂ خیال کریں گے۔

لہٰذا دونوں بھائی پروگرام کے مطابق اپنے مرشد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مسائل پر تبادلہ خیال کیااور تشفی چاہی لیکن مرشد خان نے انہیں مطمئن کرنے کے بجائے اپنے مریدوں کو سختی سے ڈانٹ پلائی اور کہا کہ تمہیں کسی 'وہابی' نے گمراہ کر دیا ہے۔ اگر تم اس کے ہاں جانا بند نہ کرو تو سب تمہیں اپنے حلقہ ارادت سے بے دخل کر دوں گا۔ آئندہ سے تم ان مسائل کی دریافت کے لئے یہاں مت آیا کرو۔

یہ سنتے ہی بڑے بھائی جان نے مرشد سے کہا کہ مجھے آج یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ نے ہمیں اب تک گمراہ کر رکھا تھا۔ ہم نے آپ سے ہمیں پیش آمدہ مسائل پر قرآن وحدیث سے تشفی چاہی لیکن آپ نے ان کا کوئی تشفی بخش جواب تو نہ دیا بلکہ آپ نے ہمیں ہمیشہ یہی کہا کہ وہابی کے ہاں نہ جاؤ، انہیں اور ہمیں برا بھلا کہتے رہے۔ اگر یہیں آپ کی بے بسی ہے تو آپ کی ارادت آپ کے حوالے۔

لہٰذا دونوں بھائی وہاں سے بے نیل و مراسم مایوس لوٹ گئے اور مولانا ابو الجمیل محمد یاسین صاحب کے حلقہ بگوش ہو کر فیضان علم سے سرشار ہوتے رہے اور مشرکانہ عقائد سے تائب ہو کر 1950ء میں مسلک اہلحدیث کو قبول کر لیا۔

والد کا ردعمل:

جب ان کے والد جناب محمد فضل علی صاحب کو یہ خبر پہنچی کہ ان کے دونوں بیٹے، گمراہ ہو گئے ہیں، کافر ہو گئے ہیں۔ تو پدری محبت تڑپ اٹھی اور بے تحاشہ وفور محبت میں پروانہ وار اپنے وطن اڈاگروڑ سے حیدر آباد پہنچتے ہیں اور اپنے کو خوب سخت سست سناتے ہوئے کہتے ہیں:

"مجھے معلوم ہوا کہ تم لوگ گمراہ ہو گئے ہو، کافروں میں مل گئے ہو۔ میں نے تمہیں بچپن سے تمہاری والدہ کے انتقال کے باوجود بڑی محنت و مشقت سے پالا پوسا ہے۔ اگر مجھے یہ بات پہلے معلوم ہوتی کہ تم لوگ کافر ہو جاؤ گے تو میں تمہیں اپنی چارپائی کے پایوں کے نیچے کو ختم کر دیتا۔"

نور خدا نے کفر کی حرکت پر خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

باپ کی ہدایت: باپ کی یہ سرزنش بیٹوں پر کارگر نہ ہو سکی حق اور باطل کا موازنہ ہو چکا تھا۔ حق غالب اور باطل مغلوب ہو چکا تھا۔ بالآخر باپ نے بیٹوں کی بات کو غور سے سنا، پھر اپنے مرشد سے اطمینان چاہا۔ جواب وہی ملا جو بیٹوں کو مل چکا تھا۔ تو الحمد للہ باپ نے بھی مرشد مذکور سے اپنا ارادتی رشتہ توڑ لیا اور عقائد باطلہ سے تائب ہو گئے۔

چراغ سے چراغ جلتے ہیں: باپ کے تائب ہونے سے محمد سرور صاحب کو بڑی تقویت حاصل ہو گئی، گھر کا ماحول ایک حد تک سازگار ہو گیا۔

لہٰذا وہ اپنے فرصتی اوقات میں اپنے دوست اقارب اور عزیزوں کے ہاں جایا کرتے، ہمیشہ ایک بڑا اقرآن کریم مترجم اپنے گلے میں ڈالے رہتے اور انہیں قرآنی آیات بتا بتا کر ان کے باطل عقائد کی نشاندہی کرتے۔ ان کی دعوت و تبلیغ کا یہ سلسلہ حیدرآباد اور ضلع تلگنڈہ کے نواحی دیہاتوں میں چلتا رہا اور کبھی دونوں برادران مل کر دورے کیا کرتے تھے۔ اللہ کے فضل وکرم سے ان کا یہ دعوتی کام اتنا مؤثر تھا کہ نتیجتاً نہ صرف اہل خاندان بلکہ سینکڑوں مسلمانوں نے اپنے شرکیہ عقائد اور بدعات وخرافات سے توبہ کی اور توحید ورسالت کے متوالے بن گئے۔

محمد سرور صاحب کا دعوتی انداز:

اللہ تعالیٰ نے انہیں افہام و تفہیم کا زبردست ملکہ عطا فرمایا تھا۔ انہیں شرک وبدعات کی گتھیوں سے خوب واقفیت تھی۔ وہ بدعات کی ایک انسائیکلو پیڈیا تھے۔ مناظرانہ، عام فہم انداز تھا۔ مقابل کو دلائل سے بے بس کر دیتے۔ وہ عالم تو نہ تھے لیکن خداداد صلاحیت سے، بحث ومباحثہ اور وعظ ونصیحت اور تقریر وبیان پر زبردست ملکہ حاصل تھا، گھنٹوں تقریر کرتے نہ تھکتے۔ ان کی عوامی زبان میں بغیر کسی پیچ وخم کی سادہ

اور پر مغز تقاریر عوام کے دلوں میں گھر کر جاتیں، لوگ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ ان کی تقاریر سنتے۔ دوران وعظ بڑے۔ نصیحت آمیز لطیفے نہایت خوش اسلوبی سے بیان فرماتے جس سے عوام بڑے محظوظ ہوتے۔

غیر مسلموں میں دعوت:

محمد سرور صاحب کو اللہ تعالی نے آندھرا پردیش کی علاقائی زبان "تلگو" پر خاصا عبور عطا فرمایا تھا۔ اس زبان کے وہ پنڈت- "ماہر لسان" مانے جاتے تھے یہ زبان اس علاقہ میں ہندو و مسلم میں یکساں بولی اور سمجھی جاتی ہے اس زبان میں انھوں نے کافی حد تک دعوت دین پیش کی ہے۔ ہندو مذہب کے شاستروں پر اور اس زبان کے ہندو شاعروں کی اصلاحی شاعری پر انہیں دسترس حاصل تھی۔ جس سے ان کی تلگو زبان کی تقریر میں بے انتہا تاثیر پید اہوائی۔ ان شاستروں کو اور اشعار کو برہمنوں اور پنڈتوں کے لب ولہجہ میں ترنم میں جب پیش فرماتے تو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو اور ماہر لسان ہندو پنڈت حیرت زدہ رہ جاتے اور تقریر کے بعد ان کی اس قدرتِ تکلم اور انداز بیان اور دلائل پر ان کی قابلیت کا لوہا مان لیتے اور اپنی غلطیوں کا اعتراف فرماتے۔ ان کی تقاریر سے متاثر کئی ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ ہندو مذہب کی آریاء قوم کے ماہرین ان کا بڑا احترام کرتے۔ اضلاع کے لوگ انہیں تلگو خطاب کے لئے مدعو کیا کرتے تھے، کئی کئی گھنٹے اس زبان میں خطاب کرتے۔

حیدر آباد میں دس محرم (عاشوراء کے دن) کو سکندر آباد کر بلا میدان میں تعزیہ اور علمداری اور ردشرک پر ولولہ انگیز بیانات ان کی زندگی کا تاریخی ریکارڈ ہیں، ان جلسوں میں ہر طبقے اور ہر قابلیت کے ہندو شریک رہتے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ

کمشنر پولیس صاحب، جو کربلا میدان میں انتظامات کا جائزہ لینے کے لئے گزر رہے تھے اور محمد سرور صاحب کی تلگو میں دھواں دار تقریر چل رہی تھی، جلسہ گاہ مسجد بوٹ کلب کے سامنے شارع عام پر واقع تھا۔

کمشنر صاحب جلسہ گاہ تشریف لائے، آخر تک بڑی دلچسپی سے بیان سنتے رہے۔

اختتام پر انہیں مبارکبادی دی اور ان کی قادر الکلامی سے متاثر ہو کر کہا:

آپ مسلمان ہیں، آپ کی مادری زبان اردو ہے، لیکن آپ نے تلگو میں اتنی شستہ تقریر کی کہ پنڈتوں کو شرما دیا، جب میں نے آپ کی آواز دور سے سنی تو سمجھا کہ کوئی ہندو برہمن تقریر کر رہا ہے، جب مجھے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان مولانا تقریر کر رہے ہیں۔ تو میں آپ سے ملاقات کے لئے رک گیا۔ اتنی لمبی داڑھی والا مسلمان، پھر تلگو زبان میں تقریر، قابل تعجب ہے۔ واقعی آپ نے جو بیان کیا ہے وہ صحیح ہے۔ ہم لوگوں میں بہت سی خامیاں ہیں۔

کمشنر صاحب کو حیرت اس بات پر ہوئی کہ چونکہ حیدر آباد کے اکثر مسلمان تلگو زبان نہیں جانتے، اگر بعض جانتے بھی ہیں تو صرف کام چلانے کے لئے۔

افسوس کہ اب سکندر آباد کربلا میدان کے یہ جلسے غیر مسلموں میں ایسے اب بے باک دعوت توحید پیش کرنے سے محروم ہو گئے۔ ہر سال ان جلسوں میں شریک ہونے والے ہزار ہا ہندو انہیں یاد کرتے رہیں گے۔

مخفی نہ رہے کہ

سکندر آباد علاقہ کی آبادی اکثریتی ہندو ہے جنکی تلگو ہی مادری زبان ہے۔ اور اس میدان میں عاشوراء کے دن ہندو اور مسلم کا مشترک مجمع ہوتا ہے اور اس جلسہ میں ہزار ہا افراد شریک ہوتے ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

☆☆☆

نعت پاک

جس میں نہیں ہیں آپ سراسر رسول پاکؐ
وہ آئینہ نہیں ہے برابر رسول پاک
میرے لیے تو پیڑ ہرا بھی گھنا بھی آپؐ
میرا مکاں ہے دھوپ کے رخ پر رسول پاکؐ
گیلی ہے میری خاک تو گردش میں چاک ہے
پیکر میں ڈھالیے مجھے چھو کر رسول پاکؐ
پیاسے لبوں کو آپ سے دو گھونٹ کیا ملے
جچتا نہیں ہے کوئی سمندر رسول پاکؐ
دل میں اتر کے رہ گیا اترا جو آپؐ پر
اب کیا پڑھیں صحیفۂ دیگر رسول پاکؐ
ہم وہ غلام بیعت و نسبت ہے آپؐ سے
ہم خاک چھانتے نہیں دردر رسول پاکؐ
میں آپ کے بغیر ادھورا تھا ہر جگہ
پورا ہوا ہوں آپ سے مل کر رسول پاکؐ
چلنے لگا ہوں آپ کی انگلی جو تھام کر
گم ہو سکوں گا بھیڑ میں کیوں کر رسول پاکؐ
کب خیر مہر وماہ کے سکوں میں بک سکا
قیمت لگا چکا ہے بہت شر رسولؐ پاک

ڈاکٹر رؤف خیر

اعتراف عجز

قربان میری جاں، مرے ماں باپ آپؐ پر
قربان آپؐ پر مرا گھر بھی رسول پاکؐ
ممکن نہیں ادا بھی ہو ماں باپ ہی کا حق
حق آپ کا ادا ہو کیوں کر رسول پاکؐ

ڈاکٹر رؤف خیر

☆☆☆



نماز (فرض) کے بعد مسنون اذکار سے متعلق

حدیث نمبر:124

عَنْ عبد الله بن عباس رضي الله عَنْه، «أَنّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ ـــ حِينَ يَنْصَرِفُ النّاسُ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ ـــ كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ». قال ابن عباس : «كُنْتُ أَعْلَمُ إِذَا انْصَرَفُوا بِذَلِكَ، إِذَا سَمِعْتُهُ». وفي لفظٍ، «مَا كُنّا نَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ إلا بِالتَّكْبِيرِ».

(رواه البخاري، كتاب الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، برقم 841، ومسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، بلفظه، برقم 122- (583). رواه البخاري، كتاب الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، برقم 842، ومسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، بلفظه، برقم 121-(583)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بیشک بلند آواز سے ذکر جب لوگ فرض نماز سے فارغ ہوتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں معمول تھا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب لوگ سلام پھیرتے تو مجھے اس بات کا علم اسی (بلند آواز کے ساتھ کیے گئے ذکر) سے ہوتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ تکبیر (یعنی اللہ اکبر) کی آواز سن کر ہم (صحابہ) رسول اللہ ﷺ کی نماز کا اختتام پہچان جاتے تھے۔"

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 - رَفْعَ الصَّوْتِ :آواز کا بلند کرنا/ ہوں۔

2 - حِينَ:جب/ جس وقت

3 - اَلْمَكْتُوْبَةِ :فرض نماز۔

4 - عَهْدُ:زمانہ۔

5 - كُنْتُ أَعْلَمُ:میں جان جاتا تھا۔/ مجھے معلوم ہوتا۔

6 - إِذَا انْصَرَفُوا : جب وہ پلٹتے ۔یعنی سلام پھیرتے۔

7 - إِذَا :جب

8 - كُنّا :ہم تھے

9 - نَعْرِفُ : ہم پہچانتے/ جانتے۔

10 - اِنْقِضَاءَ :اختتام۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔فرض نماز کے بعد مسنون اذکار کا اہتمام کرنا۔

2۔فرض نماز کے فورا بعد بلند آواز سے مسنون ذکر کرنا تاکہ تمام نمازیوں کو نماز کے اختتام کا علم ہوجائے۔

3۔فرض نماز کے فورا بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا سنت ہے اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو فرض نماز کے بعد اللہ اکبر ذکر کو درست نہیں سمجھتے ہیں۔

4۔اللہ اکبر کی طرح تین بار استغفر اللہ بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔

5۔اگر کوئی مقتدی امام کا سلام نہ سن سکے اور نماز کے اختتام میں امام سے پیچھے رہ جائے تو کوئی حرج نہیں ایسے شخص پر کوئی سجدہ سہو وغیرہ نہیں ہے۔ ایسے شخص کو جب نماز کے اختتام کا علم ہو وہ اپنا سلام پھیر لے۔

6۔ایسے اذکار جو غیر مسنون ہیں یا جن کا بلند آواز سے پڑھنا سنت نہیں ان کو بلند آواز سے پڑھنا درست نہیں ہے خصوصاً اجتماعی شکل میں کیونکہ اس سے باقی نمازیوں کو تشویش اور تکلیف ہوتی کیونکہ بعض اپنی نماز پوری کر رہے ہوتے ہیں اور بعض اپنے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں کیونکہ تمام نمازیوں کو تمام مسنون اذکار میں ایک ساتھ ہونا ضروری یا سنت نہیں ہے بلکہ صرف تکبیر اور استغفار یعنی اللہ اکبر اور استغفر اللہ کہنے میں سبھی کا ایک ساتھ ہونا سنت ہے۔

7۔بعض لوگ نماز کے بعد اجتماعی طور پر بلند آواز سے لا الہ الا اللہ اور درود کا ورد کرتے ہیں جو کہ غیر مسنون اور نمازیوں کے لیے تکلیف کا سبب ہے لہذا اس سے پرہیز کرنا چاہیے البتہ نمازی انفرادی طور پر لا الہ الا اللہ اور درود شریف سمیت کوئی بھی مسنون ذکر یا اپنی دعا آہستہ آواز میں کر سکتا ہے۔

حدیث نمبر:125

عَنْ وَرّادٍ مولى المغيرة بن شُعبة قال : أَمْلَى عَلَيّ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فِي كِتَابٍ إِلَى مُعَاوِيَةَ، أَنّ النَّبِيّ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلاةٍ مَكْتُوبَةٍ : «لا إِلَهَ إِلاّ اللّهُ وَحْدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٍ، اللّهُمّ لا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ». ثُمّ وَفَدْتُ بعد ذلك على معاوية فسمعته يأمر الناس بذلك. وفي لفظٍ : «كَانَ يَنْهَى عَنْ قِيلَ وَقَالَ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ، وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ، وَكَانَ يَنْهَى عَنْ عُقُوقِ الْأُمّهَاتِ، وَوَأْدِ الْبَنَاتِ، وَمَنْعٍ وَهَاتٍ».

(رواه البخاري، كتاب الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، برقم 844، ومسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، برقم 593. رواه البخاري، كتاب الاستقراض، باب ما ينهى عن إضاعة المال، برقم 2408، وفي كتاب

الرقاق، باب ما يكره من قيل وقال، برقم 6473، ولفظه: «إِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ عِنْدَ انْصِرَافِهِ مِنَ الصَّلَاةِ: «لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ» ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وفي كتاب الاعتصام، باب ما يكره من كثرة السؤال، برقم 7292، ومسلم، كتاب الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل من غير حاجة، برقم 12 بعد الحديث رقم 1715)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام وراد سے روایت ہے کہتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حضرت معاویہ کو خط لکھوایا جس میں یہ تحریر تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ کہا کرتے تھے "اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ اکیلا ہے اسکا کوئی شریک نہیں بادشاہت اسی کی ہے اور تعریف اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز ہر قادر ہے الہی جسے تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس سے تو روک لے اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں اور کسی مرتبے والے کا مرتبہ یا مال و دولت والے کا مال و دولت تیرے سامنے کوئی نفع نہیں دے سکتا" پھر اسکے بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا میں نے سنا کہ آپ لوگوں کو مذکورہ دعا پڑھنے کا حکم دے رہے تھے ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیل و قال یعنی فضول گفتگو، مال ضائع کرنے اور زیادہ سوالات کرنے سے منع کیا کرتے تھے نیز آپ ﷺ ماؤں کی نافرمانی، بچیوں کو زندہ درگور کرنے، بخل اور لالچ سے منع کیا کرتے تھے۔(بخاری و مسلم)

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 - أَمْلَى: اس نے سے لکھوایا۔

2 - فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ: ہر نماز کے بعد۔

3 - مَكْتُوْبَةٍ: فرض۔

4 - لَهُ الْمُلْكُ: بادشاہت اسی کی ہے۔

5 - لَهُ الْحَمْدُ: تعریف اسی کی ہے۔

6 - قَدِيرٌ: قدرت رکھنے والا۔

7 - لَا شَرِيْكَ لَهُ :اسکا کوئی شریک نہیں۔

8 - لَا مَانِعَ :کوئی روکنے والا نہیں

9 - اَعْطَيْتَ :تونے عطا کیا۔

10 - مُعْطِيَ : دینے والا۔

11 -مَنَعْتَ :تونے روک دیا۔

12 - لَا يَنْفَعُ : نہیں نفع دے سکتا۔

13 - ذَا الْجَدِّ : بزرگی / مرتبے والا۔

14 - قِيْلَ وَقَالَ : فضول گفتگو۔

15 - إِضَاعَةُ الْمَالِ :مال ضائع کرنا۔

16 - كَثْرَةُ السُّوَالِ : زیادہ سوالات کرنا۔

17 - عُقُوْقِ الْاُمَّهَاتِ :ماؤں کی نافرمانی۔

18 - وَوَأْدِ الْبَنَاتِ :بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا۔

19 - مَنْعٍ وَهَاتٍ :بخل اور لالچ۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام:

1۔ نبی کریم ﷺ کی احادیث کو خطوط میں لکھنا مستحب ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو خط لکھتے وقت بسم اللہ وغیرہ اس لیے نہیں لکھتے ہیں کہ اس سے بسم اللہ کی توہین کا اندیشہ ہے۔

2۔جب نبی کریم ﷺ کی حدیث کا علم ہو جائے تو پھر اس پر عمل کرنا چاہیے اور دوسروں کو اس کی ترغیب دینی چاہیے جیسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو مسنون دعا کا حکم دیتے تھے۔

3۔حدیث میں مذکورہ دعا ہر فرض نماز کے بعد پڑھنا مستحب عمل ہے۔

اور اس سے توحید کی فضیلت اور اہمیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔اور کلمہ توحید افضل الذکر والدعاء ہے۔

4۔یہ عظیم الشان ذکر اور دعا توحید کے اثبات، شرک کی نفی، اللہ تعالیٰ کی مکمل بادشاہت ، اس کی کامل تعریف، اس کی قدرت کامل، کائنات میں اسکے مکمل تصرفات اور مخلوق کی بے بسی اور محتاجگی کے اعترافات پر مشتمل ہے۔

5۔قیل و قال فضول اور بے مقصد گفتگو کی مذمت ہے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

6۔مال کا ضیاع اور بربادی مذموم ہے کیونکہ مال اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے لہذا اس کی قدر کرنا اور صرف جائز امور میں جائز خرچ کرنا جائز ہے اسراف و تبذیر ناجائز و حرام ہے بدعات اور رسومات و خرافات میں خرچ کرنا مال کا ضائع کرنا ہے جس کی ممانعت رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی ہے قل، ختم، تیجہ، ساتواں ، چالیسواں، سالگرہ، رجب کے کونڈے، محرم کی سبیلیں، گیارہویں وغیرہ، عید میلاد اور اس میں کھانا پکانا وغیرہ، شادی کی رسومات پر خرچ، شادی کے موقع پر ریاکاری و دکھلاوے کے لیے مہنگی کاروں کو کرائے پر لینا، ریاکاری و دکھلاوے کے لیے مہنگے ہال وغیرہ بک کرنا، وغیرہ یہ سبھی مال کا ضیاع ہے۔اسلام نے حلال اور جائز چیزوں میں بھی بے جا خرچ کو ناپسند کیا اور حرام و ناجائز چیزوں میں تو خرچ کرنے والے کو اللہ نے شیطان کے بھائی ہیں۔ سورہ الاسری آیت نمبر۔27

7۔ماں کی نافرمانی یعنی جائز امور میں ماں کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے۔ البتہ اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی میں ماں کی فرمانبرداری کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق) (رواہ احمد وصححہ البانی واصلہ فی البخاری)

8۔بخل، لالچ یعنی جہاں ضروری خرچ کرنا چاہیے وہاں خرچ نہ کرے اور جہاں خرچ نہیں کرنا چاہیے وہاں کسی لالچ کی وجہ سے خرچ کرے رسول اللہ ﷺ نے اس سے اپنی امت کو روکا ہے۔

9۔کثرت سوال یعنی بیجا اور بے مقصد اور فرضی سوالات کرنا۔

10۔بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی سخت ممانعت ہے۔



شوہر کے حقوق کے بارے میں ایک روایت (2)

2۔ اگر کوئی راوی (جیسے ربیعہ بن عثمان) صحیحین کے رجال میں سے ہو، تو کیا اس کی باقی روایات (جو دوسری کتب حدیث میں بیان ہوئی ہیں) لازمی طور پر صحیح قرار دی جاسکتی ہیں؟

جمال الدین القاسمی جرح اور تعدیل کے فوائد میں لکھتے ہیں :

"الشعرانی میزان کے مقدمہ میں حافظ المزی اور الحافظ زیلعی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ان راویوں میں سے جن پر کلام کیا گیا ہے، لیکن پھر بھی بخاری اور مسلم نے ان کی روایات لی ہیں، جیسے جعفر بن سلیمان الضبعی، الحارث بن عبیدۃ، یونس بن اسحاق السبیعی، ابو اویس تو خیال کرنا چاہئے کہ شیخین جو ایسے لوگوں سے روایات لاتے ہیں تو کچھ شرطوں کے ساتھ لاتے ہیں۔

یعنی ان کی ایسی روایات بیان کرتے ہیں جن پر متابعات موجود ہیں (مطلب ہے کہ ان کی سطح پر یا ان کے مشائخ کی سطح پر کسی اور نے بھی وہی روایت بیان کی ہو) یا اس کے شواہد موجود ہوں (یعنی صحابہ میں سے کسی دوسرے صحابی نے بھی وہی روایت یا اس سے ملتی جلتی روایت بیان کی ہو) اور وہ یہ جانتے ہوں کہ اس کی اصل موجود ہے اور اگر وہی اکیلے راوی ہوں تو پھر اس سے روایت نہیں لاتے۔

اور الحاکم (صاحب المستدرک اور کئی دوسرے حفاظ حدیث نے ان شروط کا خاطر خواہ لحاظ نہیں رکھا اور وہ اپنی روایت کو کہ جنہیں انہوں اپنی دانست میں صحیح قرار دیا ہے۔ اپنی کتاب (المستدرک) میں اس قول کے ساتھ درج کرتے ہیں کہ یہ روایت بخاری اور مسلم کی شرطوں کے مطابق ہے لیکن انہوں نے تو اسے نہیں قبول کیا، ہم اُسے درج کئے دیتے ہیں۔

یہاں الحاکم سے بھی یہی غلطی ہوئی ہے کہ جس راوی کو بخاری و مسلم نے اپنی کسی روایت کردہ حدیث میں لیا ہے۔ اس کی ہر روایت کو صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ بخاری و مسلم کی شرطوں پر پوری اترتی ہے اور وہ اس لیے کہ اس بات کا احتمال رہے گا کہ اس کی ہر روایت کردہ حدیث میں ہو سکتا ہے کہ کوئی شرط پوری نہ ہوئی ہو۔(ص198)

ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ بعض محدثین ضعیف راویوں کی روایت کیوں قبول کر لیتے ہیں تو اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں :

1۔ اس لیے روایت کرتے ہیں کہ ان کا ضعف بیان کر سکیں تا کہ ان سے بچا جاسکے۔

2۔ صرف بطور متابعت یا شاہد درج کرتے ہیں، لیکن اگر وہ تنہا ہو تو پھر اس کی روایت کو نہیں لیتے۔

3۔ ضعیف راوی کی روایت میں، صحیح، ضعیف، باطل ہر طرح کی روایات ہوتی ہیں۔ تو وہ سب لکھ تو لیتے ہیں لیکن حدیث کے ماہر حضرات ان کی چھان بین کر کے صحیح کو ضعیف یا باطل سے جدا کر دیتے ہیں۔ اور یہی استدلال سفیان ثوری کا تھا کہ

جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کلبی سے کیوں روایت کرتے ہیں تو انہوں نے کہا:

"اعرف صدقه من كذبه."

"میں جانتا ہوں کہ اس کی کون سی روایت کھری ہے اور کونسی جھوٹی۔" (قواعد التحدیث، ص74)

تو کیا ہم ربیعہ بن عثمان کی احادیث کے بارے میں یہی بات نہیں کہہ سکتے کہ امام مسلم نے جو واحد روایت ان سے لی ہے تو اسے سچ جان کر لی ہے، لیکن ان کی دوسری روایت (جو کہ ہماری بحث کا موضوع ہے) اُسے تو ہاتھ تک نہیں لگایا۔

ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ نسائی نے اسے "السنن الکبری میں (نمبر 5386) کے تحت درج کیا ہے۔ المجتبیٰ میں نہیں جو کہ سنن اربعہ میں شامل ہے۔

ابن الصلاح لکھتے ہیں کہ امام نسائی نے جب السنن الکبری کی تالیف کی تو اُسے الرملہ کے امیر کے سامنے پیش کیا تو امیر نے سوال کیا کہ آیا جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے وہ سب صحیح ہے؟ تو انہوں نے کہا: نہیں! تو امیر نے کہا: تو پھر صحیح احادیث کو علیحدہ کر دو۔"

تو پھر النسائی نے "المجتبیٰ" کی تالیف کی۔ (قواعد التحدیث: 247)

اور جہاں تک دار قطنی، بیہقی، الحاکم کا تعلق ہے تو ابن الصلاح نے صاف صاف لکھا ہے کہ ان تینوں کتابوں میں نہ صرف ضعیف احادیث شامل ہیں بلکہ موضوع احادیث بھی ہیں۔

4۔ وہ احادیث جن کا تعلق ترغیب و ترہیب، فضائل اعمال، قصص، زہد اور اچھے اخلاق سے ہوتا ہے۔ حلال و حرام سے نہیں تو ان کی روایت میں قدرے تساہل سے کام لیا جاتا ہے لیکن پھر بھی موضوع کی روایت سے بچا جاتا ہے۔ (قواعد: ص114)

3۔ کیا مذکورہ حدیث کے لئے کوئی شاہد ہے؟ اور اگر ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الحاکم نے جہاں ربیعہ بن عثمان کی روایت جس کی سند حضرت ابو سعید الخدری تک جاتی ہے۔ اپنی تصنیف المستدرک میں درج کی ہے، وہاں معاً اس کے بعد ایک اور روایت تحریر کی ہے جس کی سند حضرت ابوہریرہ تک جاتی ہے، سند اور متن ملاحظہ ہو:

الحاكم حدثنا علي بن حمشاد العدل ثنا محمد بن المغيرة السكرى بهمذان ثنا القاسم بن الحكم العرني ثناسليمان بن رو اؤد اليمامى عن يحيى بن كثير عن أبي سلمة عن أبي هريرة

(روایت کا متن وہی ہے جو پہلی روایت میں گزر چکا ہے اور پھر جہاں عورت پر شوہر کے حقوق کا بیان ہوا ہے تو وہاں یہ الفاظ آئے ہیں جو پہلی روایت سے مختلف ہیں)

أن لو سَالَ مَنْخِرَاهُ دمًا وقيحًا وصَدِيدًا فَلَحَسَتْهُ بِلِسَانِهَا ما أدّتْ حَقّهُ، ولو كانَ ينبَغِي لِبَشَرٍ أن يسجدَ لبَشَرٍ لأَمَرْتُ المرأَةَ أن تسجدَ لزوجِهَا إذا دخَلَ عليهَا لمَا فضّلَهُ اللهُ عليهَا، قالت: والذِي بعثَكَ بالحَقِّ لا أتزَوّجُ شيئًا ما بَقِيتُ في الدُّنْيَا (صفحہ:189)

" اگر اسے دونوں نتھنوں سے خون، Pus اور . اور پیپ بھی بہہ رہا ہو اور وہ اُسے اپنی زبان سے چاٹتی رہے تب بھی اس کا حق ادا نہیں کر سکتی، اگر ایک انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیا کہ جب وہ اس پر داخل ہو تو وہ اسے سجدہ کرے اور وہ اس لیے کہ اللہ نے اُسے عورت پر فضیلت عطا کی ہے۔ اس لڑکی نے کہا: اس ذات کی قسم، جس نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا ہے، جب تک میں اس دنیا میں ہوں کبھی شادی نہ کروں گی۔"

ذہبی نے اس روایت کے بارے میں کہا:

بَلْ مُنْكَرٌ

"بلکہ منکر روایت ہے۔"

و سليمان وَاہِ: سلیمان بن داؤد بالکل کمزور ہے۔

والقاسم صدوق تكلم فيه: القاسم بن الحکم سچا ہے لیکن اس پر بھی کلام کیا گیا ہے۔

یعنی یہ روایت منکر ہونے کی بنا پر پہلی حدیث کی شاہد نہیں شمار کی جاسکتی۔

قاعدہ یہ ہے کہ اگر روایت معمولی طور پر کمزور ہو (جیسے راوی کا حافظہ کچا ہو) تو ویسی ہی دوسری روایت اس کی تقویت کا باعث بنتی ہے اور یہ حدیث ضعیف سے نکل کر حسن درجے تک پہنچ جاتی ہے لیکن اگر انتہائی کمزور ہو (جیسے مذکورہ روایت ہے تو وہ دوسری روایت کی تقویت نہیں کر سکتی۔

4۔ اگر روایت فرد مطلق کے حکم میں ہو یعنی اس ایک سند کے علاوہ کسی دوسرے طریق سے وارد نہ ہوئی ہو تو جس راوی پر اس حدیث کا دارومدار ہے تو اسے کیسے پر کھا جائے گا؟

پہلے حدیث کی اصطلاح فرد مطلق کو لے لیتے ہیں:

"وہ حدیث کہ جسے صرف ایک راوی ہی بیان کر رہا ہو، چاہے وہ حدیث اس تک متعدد طرق سے پہنچتی ہو یا ایک ہی طریق سے، اور یہ روایت شاذ بھی ہو سکتی ہے یعنی راوی ثقہ ہو لیکن وہ کئی دوسرے ثقات کی روایت سے مختلف ہو، اور یہ منکر بھی ہو سکتی ہے کہ راوی ضعیف ہو لیکن ثقات کی مخالفت کرتا ہو۔

ابن الصلاح نے ایک دوسری تعریف بھی لکھی ہے کہ منکر وہ حدیث ہے جسے روایت کرنے والا شخص منفرد ہو اور اس کا متن سوائے اس کی اپنی روایت کے کسی دوسرے طریق سے مروی نہ ہو، نہ ویسے جیسے اس نے خود روایت کیا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے انداز سے۔

پھر خلاصہ کلام کے طور پر لکھتے ہیں:

اس لحاظ سے شاذ مردود کی دو اقسام ہو گئیں:

پہلی تو وہ کہ جس میں راوی منفرد ہو اور مخالفت کرتا نظر آتا ہو اور دوسری وہ کہ جس میں راوی کے ثقہ اور ضابط ہونے میں اتنی کمی ہو کہ جس سے اس کے منفرد ہونے اور ضعف اور نکارت کا باعث بننے کا ازالہ نہ ہو سکے۔ (توضیح الأفکار، صفحہ 3،5،7)

5۔ اگر ایک حدیث کے رواۃ پر معدلین اور جارحین دونوں ہوں تو کسے ترجیح حاصل ہو گی؟ ایسی روایت کے جس کے رواۃ پر جرح اور تعدیل دونوں طرح کے کلمات پائے جائیں تو اس کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں۔

1۔ ابن الصلاح لکھتے ہیں کہ اگر ایک راوی کے بارے میں دونوں طرح کے کلمات پائے جائیں یعنی کچھ محدثین اس کے بارے میں اچھے رائے رکھتے ہوں (جسے تعدیل کیا جاتا ہے) اور کچھ ناقدانہ جسے جرح کہا جاتا ہے) تو پھر حرج کو مقدم رکھا جائے گا اور وہ اس لیے کہ معدل تو صرف راوی کے ظاہری حالات کو دیکھتا ہے جب کہ جارح کسی مخفی یا باطنی امر کی وجہ سے اپنی رائے دے رہا ہوتا ہے۔

اگر معدلین کی تعداد زیادہ ہو تو ایک قول تو یہ ہے کہ تعدیل کو ترجیح دیا جائے گی لیکن جمہور کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ پھر بھی جرح کو مذکورہ سبب کی بنا پر فوقیت دی جائے گی۔ (توضیح الافکار: ص159)

2۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر جرح مفسر ہو (یعنی وہ سبب بیان کیا جائے کہ جس کی وجہ سے راوی کو ضعیف یا منکر قرار دیا گیا ہے) تو اسے تعدیل پر فوقیت حاصل ہو گی الا یہ کہ معدل نے اس بات کی وضاحت کی ہو کہ ہاں یہ سبب تو پایا جاتا تھا لیکن بعد میں زائل ہو گیا تھا۔

3۔ اگر دونوں طرف کے قائلین برابر تعداد میں ہوں تو پھر دیکھا جائے گا کہ ان میں حفظ اور ضبط کے اعتبار سے کس طرف کے محدثین کا پلڑا بھاری ہے۔ تو پھر ان کے قول کا اعتبار ہو گا۔ (ص158)

6۔ ذکر کیا گیا ہے کہ شیخ البانی نے مذکورہ حدیث کی تحسین کی ہے؟

میں ان کے اصل الفاظ کی طرف رسائی تو حاصل نہیں کر سکا لیکن اتنا کہنے کی جسارت کروں گا کہ احادیث پر حکم لگانے میں محدثین کا اختلاف ہوتا رہا ہے جیسے الحاکم ایک حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں اور پھر الذھبی اسے ضعیف یا موضوع قرار دے دیتے ہیں، تو یہ ایک اجتہادی امر ہے جیسے کہ امام ابن تیمیہ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن جہاں تک اس اصل کا تعلق ہے کہ بعض دفعہ متن کے الفاظ ایسے نامناسب ہوتے ہیں کہ ان کی نسبت اللہ کے

رسول کی طرف کرنے سے طبیعت ابا کرتی ہے، توخود شیخ البانی نے کئی احادیث کو ضعیف، منکر یا باطل قرار دیتے وقت اس اصل کا اعتبار کیا ہے ۔ میں تین مثالوں پر اکتفا کروں گا:

1۔حدیث نمبر134

ثلاثةٌ يَزِدْنَ في قوة البصرِ: النظرُ إلى الخُضرةِ، وإلى الماءِ الجاري، وإلى الوجهِ الحَسَنِ

"تین چیزیں بصارت کو قوت زیادہ کرتی ہیں: سبزے کی طرف دیکھنا اور ایسے بہتے پانی اور خوبصورت چہرے کی طرف دیکھنا۔"

ابن الجوزی نے " الموضوعات" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ سند یہ ہے:

و هب بن وهب القرشي عن جعفر بن محمد الصادق عن أبيه عن علي بن الحسين عن جده علي بن ابی طالب مرفوعاً

یہ حدیث باطل ہے، وہب کذاب ہے۔

اور پھر ابن القیم کا قول نقل کیا ہے:

فصل: چند وہ عمومی اصول جن سے حدیث کے موضوع (بناوٹی) ھونے کا پتہ چلتاہے اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ حدیث انبیاء کے کلام سے مشابہ نہ ہو حتی کہ صحابہ کے کلام سے بھی مشابہت نہ رکھتی ہو جیسے (مذکورہ حدیث)

ایسا کلام تو نہ صرف ابوھریرۃ، ابن عباس بلکہ سعید بن المسیب اور حسن بصری بلکہ امام احمد اور امام مالک سے بھی متوقع نہیں۔

ملا علی قاری کہتے ہیں کہ حدیث موضوع نہیں بلکہ ضعیف کے درجے میں ہے۔

میں کہتا ہوں، دونوں اقوال میں تعارض نہیں۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسناد کے اعتبار سے ضعیف ہے لیکن متن کے اعتبار سے موضوع ہے۔ (سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعہ:1/ 166)

2۔حدیث نمبر183

لا صلاة لجار المسجد الا في المسجد

"مسجد کے پڑوسی کی نماز نہیں ادا ہوتی مگر مسجد ہی میں۔"

اسے دار قطنی، الحاکم ، بیہقی نے بروایت سلیمان بن داوٗد الیمامی عن یحیی بن أبي کثیر عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ مرفوعاًروایت کیا ہے۔

بیہقی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

میں کہتاہوں: اس حدیث کی علت یہی ہے کہ سلیمان بہت ضعیف ہے۔

ابن معین کہتے ہیں: ليس بشيئ (کچھ نہیں ہے)

بخاری نے کہا: منکر الحدیث ہے۔

الذھبی نے کہا: بخاری کہتے ہیں کہ جس کے بارے میں، میں منکر الحدیث کہوں تو اس شخص سے روایت کرنا جائز نہیں۔ (سلسلہ:2/217)

3۔حدیث نمبر766

أربعٌ لا يشبَعْنَ من أربعٍ أرضٌ من مطرٍ وأنثى من ذكرٍ وعينٌ من نظرٍ وعالمٌ من علمٍ

"چار چار سے سیر نہیں ہوتے، زمین پانی سے، مادہ نر سے آنکھ نظر سے اور عالم علم سے۔"

ابو نعیم نے 'الحلیہ' میں اسے روایت کیا ہے، بروایت محمد بن الفضل عن التیمي عن ابن سیرین عن أبي ھریرۃ مرفوعا

اسے ابن الجوزی نے موضوع قرار دیا ہے، علت یہی شخص محمد بن الفضل ہے جو اس روایت میں منفرد ہے۔

امام احمد کہتے ہیں: اس کی بات جھوٹے لوگوں کی سی ہے۔

ابن حبان نے کہا: یہ شخص ثقہ راویوں کی طرف نسبت کر کے موضوع روایات بیان کرتا ہے۔

پھر شیخ البانی نے اس حدیث کے تین دوسرے طرق بھی بیان کئے ہیں:

ایک العقیلی کا کتاب الضعفاء میں اور ابن حبان کا بروایت ابی ھریرۃ

دوسری ابن عدی، ابن حبان، ابن عساکر اور طبرانی کا بروایت سیدۃ عائشۃ ، تیسرے الحافظ محمد بن طاھر المقدسي کا تذکرۃ الموضوعات کا، جہاں اسے بحیثیت متابعت روایت کیا گیا ہے۔

لیکن ان تینوں طرق میں ترتیب کے ساتھ عبداللہ بن محمد عجلان، عبدالسلام بن عبد القدوس اور حسین بن علوان ضعیف راوی پائے جاتے ہیں۔

ابن القیم نے اپنی کتاب المنار المنیف میں اسے موضوع قرار دیاہے اور یہ الفاظ رقم کیے ہیں:

ومما يعرف الحديث كونه موضوعا ركاكة الفاظ الحديث وسما حتها بحيث يمجُّها السمع ويسمج معناه الفطنُ.

"اور حدیث جن علامات کی بنا پر موضوع پہچانی جاتی ہے، ان میں سے ایک علامت یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ رکیک ہوں اور اتنے نامناسب ہوں کہ سماعت پر بوجھل ہوں اور ایک باخبر شخص ان الفاظ سے بیزاری کا اظہار کرے۔" (سلسلہ:2/ 185)

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ربیعہ بن عثمان سے مروی شوہر کے حقوق کے بارے میں حدیث کے موضوع یا کم از کم بہت ہی ضعیف ہونے کے بہت سے اسباب موجود ہیں جس کی بنا پر ہم نے مناسب سمجھا کہ اس حدیث کے بارے میں جہاں بعض محدثین نے اسے صحیح یا حسن قرار دیا ہے تو وہاں دوسری رائے کا بھی ذکر کر دیا جائے اور اس کے دلائل بھی تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے جائیں اور جیسا کہ ہم اسے قبل امام ابن تیمیہ کی رائے قلمبند کر چکے ہیں کہ جن احادیث کے راویوں میں کلام کیا گیا ہے اور اس کلام (یا تنقیدی کلمات) کی بناپر محدثین میں اختلاف کیا گیا کہ اس پر کسی نے اسے قبول کیا اور کسی نے اسے رد کیا تو وہ ایک اجتہادی امر ہے۔ اس لئے دونوں آراء کے دلائل دیکھ کر ایک صاحب علم کا جس رائے پر بھی اطمینان ہو وہ اُسے اختیار کر سکتا ہے۔ واللہ اعلم

☆☆☆



تمہید

الحمد لله رب العالمين والصلاة و السلام على محمد خاتم النبيين و المرسلين و على آله و صحبه أجمعين. أما بعد

”حرمین شریفین“ مملکت سعودی عرب کی آن بان شان اور پہچان ہیں۔ ان کے علاوہ ملک کے طول وعرض میں پھیلے کشادہ اور خوب صورت مسجدوں کے جال کے سبب اسے ”مملکت مساجد“ کہنا غلط نہ ہو گا۔ مساجد کے مطلوبہ کردار کے پیش نظر، ان میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کے علاوہ مختلف سماجی سرگرمیوں کے ذریعے، انسانوں کی خدمت بھی کی جاتی ہے۔ (سعودی عرب کے باہر رہنے والے حضرات کیلیے ایک ضروری وضاحت یہ ہے کہ سعودی عرب میں ’جامع‘ اس مسجد کو کہا جاتا ہے جس میں پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ نماز جمعہ بھی قائم کی جاتی ہو اور جس مسجد میں نماز جمعہ کے سوا باقی فرض نمازیں ادا کی جاتی ہوں اسے ’مسجد‘ کہتے ہیں۔ قارئین کی آسانی کے لیے، وقت ضرورت، اس کتابچے میں بعض مقامات پر ’جامع‘ کی جگہ لفظ ’مسجد‘ لکھا گیا ہے۔)

دار الحکومت ریاض میں واقع، قلعہ نما، عظیم الشان مسجد ’جامع الشیخ سلیمان الراجحی‘ کا شمار، ملک کی بڑی مساجد میں ہوتا ہے۔ اٹھارہ ہزار مصلیوں کی گنجائش والی یہ مسجد، مسلسل دو دہائیوں سے، متعدد میدانوں میں انسانیت کی مثالی خدمت انجام دیتی آ رہی ہے۔ بالخصوص دو میدان ایسے ہیں کہ جن کے سبب اس مسجد کی شہرت کو چار چاند لگ گئے؛

پہلا میدان: ”علوم شرعیہ کی نشر و اشاعت“:
یہاں مرد و خواتین کے لیے حفظ قرآن مجید، حفظ احادیث نبویہ اور حفظ متون علمیہ کے حلقات، کبار اہل علم کے دروس اور ہزار ہا کتب پر مشتمل لائبریری وغیرہ کی شکل میں، ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے کچھ چشمے موجود ہیں جن سے تشنگان علوم شریعت، اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔

دوسرا میدان: ”جنازوں کی تجہیز و تکفین کے بعد نماز جنازہ اور تدفین“
ایک طرف علم کی نشر و اشاعت کی شکل میں، زندہ انسانوں کے دلوں کی زندگی کا سامان موجود ہے تو دوسری جانب، ان بے جان جسموں کی خدمت کا بھی انتظام ہے جن کی روحیں، عالم برزخ میں پہنچ چکی ہوتی ہیں۔ دین اسلام زندہ انسانوں کے علاوہ فوت شدہ انسانوں کے حقوق کا بھی ضامن ہے۔ جب کسی مسلمان کی وفات ہوتی ہے تو دیگر مسلمانوں پر یہ شرعی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کی تجہیز و تدفین کا انتظام کریں۔ اسلام میں فوت شدہ کے ساتھ کیے جانے والے حسن سلوک اور اکرام واحترام کے مشاہدے کے لیے، ہمیں ان جیسی مساجد کا دورہ ضرور کرنا چاہیے۔

ملک الموت سے منکر و نکیر تک

کتابچے کے عنوان کی وضاحت: ملک الموت (موت کے فرشتہ) کی جانب سے کسی انسان کی روح قبض کیے جانے کے چند گھنٹوں بعد، قبر میں دو فرشتے (منکر اور نکیر) اس میت سے سوالات کرتے ہیں۔ انسانی جسم سے روح نکلنے اور قبر کے سوالات کے درمیانی وقت میں، جامع الراجحی کی جانب سے جو بے نظیر خدمات انجام دی جاتی ہیں، زیر نظر کتابچے میں ان کا بالاختصار ذکر کیا جا رہا ہے تا کہ قارئین بھی اس راستے سے انسانوں کی خدمت کر سکیں۔

آخری غسل اور آخری لباس

تجہیز و تکفین کے پہلے مرحلے میں، میت کو خصوصی گاڑی کے ذریعے کسی ایسی مسجد منتقل کیا جاتا ہے جہاں تجہیز و تکفین کا انتظام ہوتا ہے۔

جامع الراجحی کے احاطے میں مردوں اور عورتوں کے لیے دو الگ الگ غسل خانے تعمیر کیے گئے ہیں؛ جہاں بیک وقت کئی جنازوں کو غسل دیا جا سکتا ہے۔ اس موقع پر میت کے جسم سے، آخری سلا ہوا الباس اور دیگر اشیاء اتار لینے اور اسے آخری مرتبہ غسل دینے اور آخری لباس (کفن پہنانے کا منظر نہایت سبق آموز ہوتا ہے۔ دوران غسل استعمال کی جانے والی اشیاء اور کفن اعلیٰ معیار کے ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوش نودی کی خاطر، میتوں کو بلا معاوضہ غسل دیتے ہیں۔ انھیں سعادت مند لوگوں میں سعودی فٹ بال ٹیم کے سابق کھلاڑی اور سابق عالمی ریفری Referee، حسن البحیری -رحمہ اللہ- بھی تھے جنھوں نے 25 سال تک میتوں کو بلا معاوضہ غسل دیا۔

غسل سے فراغت کے بعد میت کو کچھ دیر کے لیے ’غرفۃ السلام‘ نامی کمرے میں رکھا جاتا ہے جہاں میت کے لواحقین، اس کا آخری دیدار کرتے ہیں۔ اس وداعی ملاقات کے لیے کل چھ کمرے بنائے گئے ہیں۔ قریب ہی الکٹرانک اسکرینوں پر میت کے نام کے آگے، کمرہ نمبر کے ساتھ قبر نمبر بھی لکھا ہوتا ہے۔

تجہیز و تکفین کے دوران، انتظار گاہ میں بیٹھے لوگوں کی کھجور، قہوہ اور پانی سے ضیافت کی جاتی ہے۔

نماز جنازہ اور تدفین کا جبل احد سے اٹوٹ رشتہ

امت محمدیہ کے افراد کی عمر، سابقہ امتوں کے افراد کی عمر کے مقابلے میں کم ہے۔ اس مختصر زندگی میں ہمیں بہت سارے ہلکے پھلکے آسان اعمال کے مواقع

حاصل ہیں جن کے ذریعے ہم اجر عظیم کما سکتے ہیں۔ نماز جنازہ کی ادائیگی اور تدفین کے وقت حاضر رہنے کا تعلق بھی ان ہی اعمال سے ہے۔

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں، ان میں سے ایک حق یہ ہے کہ جب اس کی وفات ہو جائے تو وہ اس کی نماز جنازہ ادا کرے اور ممکن ہو تو اس کی تدفین میں بھی شرکت کرے۔

نماز جنازہ کے کئی دینی اور دنیوی فائدے ہیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

یہ ایک سفارش ہے جو رحمت الٰہی کا سبب بنتی ہے، ایک فوت شدہ مسلمان کے حق کی ادائیگی ہے، اس کا اکرام واحترام ہے، اس کے حق میں دعا کرنے کا ایک اہم موقع ہے اور اس کے لواحقین کے لیے تسلی کا سامان بھی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (اللہ تعالیٰ ان کی اور ان کی والدہ محترمہ کی مغفرت فرمائے) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: "کیا آج تم میں سے کوئی روزے سے ہے؟" سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "کیا آج تم میں سے کسی نے جنازے میں شرکت کی؟" سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "کیا آج تم میں سے کسی نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا؟" سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "کیا آج تم میں سے کسی نے مریض کی عیادت کی؟" سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص میں یہ خصلتیں جمع ہو جائیں، وہ جنت میں ضرور داخل ہو گا۔" (صحیح مسلم: 1028)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی میت کی نماز جنازہ ادا کرے تو اس کے لیے ایک قیراط (کے برابر اجر) ہے اور جو شخص نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد (قبرستان جا کر)، اس میت کی تدفین تک انتظار کرتا رہے تو اس کے لیے دو قیراطوں (کے برابر اجر) ہے۔ اور دو قیراط، دو بڑے پہاڑوں کے برابر ہوتے ہیں۔" (صحیح النسائی: 1993)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو شروع میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کا علم نہیں تھا جس میں میت کی تدفین تک قبرستان میں انتظار کرنے پر حاصل ہونے والے دوسرے قیراط کا ذکر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ صرف نماز جنازہ ادا کر کے لوٹ جایا کرتے تھے۔ کچھ مدت بعد، جب انہیں اس حدیث کا علم ہوا تو حسرت اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: "ہم سے بہت سارے قیراطوں کے (برابر اجر و ثواب) حاصل کرنے میں کوتاہی ہو گئی۔" (صحیح الترمذی: 1040)

معزز قارئین! قیراطان (دو قیراطوں) کی پیمائش (size سائز) کی تفصیل، کئی احادیث میں بیان ہوئی ہے جو اس قدر دل چسپ ہے کہ اجر و ثواب کے شوقین افراد کے قدم خود بخود جنازے اور قبرستان کی طرف اٹھ جائیں، کبھی ان دو قیراطوں میں سے ایک کو احد پہاڑ کے برابر (اور دوسرے کو احد سے چھوٹا)، کبھی دونوں میں سے ہر ایک کو احد کے برابر، کبھی دونوں میں سے چھوٹے کو مد کے برابر، کبھی دونوں ہی کو احد سے بڑے تو کبھی دونوں کو دو بڑے پہاڑوں کے برابر قرار دیا گیا۔ (مذکورہ پانچ احادیث کے حوالہ جات کو ذیل میں بالترتیب ذکر کیا جا رہا ہے: (1۔ صحیح ابی داود: 3168؛ 2۔ صحیح بخاری: 47؛30 صحیح ابی داؤد: 3168؛ صحیح النسائی: 1996؛5۔ صحیح النسائی: 1993)

احادیث نبویہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ مسلمان کی نماز جنازہ ادا کرنے اور تدفین کے وقت حاضر رہنے سے جبل احد کا اٹوٹ تعلق ہے۔

اس موقع پر مناسب ہو گا کہ احد پہاڑ کے متعلق کچھ اہم معلومات ذکر کی جائیں تا کہ اس کی اہمیت، فضیلت اور محبت، ہمارے دلوں میں راسخ ہو جائے۔

مدینہ نبویہ میں واقع اس پہاڑ کی لمبائی سات کلو میٹر، چوڑائی 2 سے 3 کلو میٹر اور اونچائی تقریبا 350 میٹر ہے۔ یہ محض ایک پہاڑ ہی نہیں بلکہ مدینہ طیبہ میں اسلامی تاریخ کا ایک اہم جغرافیائی لینڈ مارک ہے۔

أحد! وما أدرك ما أُحد !!جبل احد کی عظمت ورفعت کے کیا کہنے! یہ وہی احد ہے، جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: "جبل يحبنا و نحبه" "کہ (احد) وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔" یہ وہی احد ہے کہ جب اس پر نبی کریم ﷺ، سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کھڑے ہوئے تو وہ خوشی سے حرکت کرنے لگا۔

جب آپ احد کے بلند قد و قامت کا تصور کریں تو ذرا اس بات کا بھی تصور کریں کہ احد اور اس سے بڑے پہاڑوں کے برابر اجر و ثواب کس قدر وزنی ہو گا۔

سبحان اللہ!

ایک ضروری وضاحت: اس عظیم اجر کے حصول کے لیے دو شرطیں ہیں: "ایمان اور احتساب" (صحیح بخاری: 47)

یہاں 'ایمان' سے مراد یہ ہے کہ اس عمل کی شرعی حیثیت اور اس کی فضیلت پر کامل ایمان رکھنا اور 'احتساب' کا معنی یہ ہے کہ اس عمل کو صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے خالص کرتے ہوئے نیز اجر و ثواب کی نیت اور خواہش رکھتے ہوئے انجام دینا۔

محترم مصلیان کرام! احد پہاڑ کے برابر یا اس سے بھی زیادہ اجر و ثواب کے حصول کی خاطر، ہر دن شہر ریاض کے اطراف واکناف سے سینکڑوں لوگ صرف نماز جنازہ ادا کرنے کے لیے جامع الراجحی کا رخ کرتے ہیں۔

پرسہ دینے والے مرد و خواتین، نماز جنازہ سے پہلے ہی مسجد پہنچ کر میت کے لواحقین کو پرسہ دیتے ہیں۔

نماز جنازہ سے پہلے، الکٹرانک اسکرینوں پر، نماز جنازہ کا مکمل طریقہ پیش کیا جاتا ہے۔ ایک ناقابل فراموش واقعہ: چند سال قبل اس مسجد میں بیک وقت اکتالیس (41) لوگوں پر نماز جنازہ ادا کی گئی۔ ذرا تصور کیجیے کہ کس قدر دل دہلا دینے والا منظر رہا ہو گا!

لمحہ فکریہ: کچھ لوگ جنازے میں شریک نہیں ہوتے کیوں کہ وہ میت کو دیکھنے اور اس سے قریب ہونے سے گھٹن اور وحشت محسوس کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ، میت کی تدفین کے بعد، اس کے اہل خانہ سے ملاقات کر کے انھیں پرسہ دینے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ ایک کڑوا سچ ہے کہ جب اس دھوکے باز دنیا کی محبت، دل میں رچ بس جاتی ہے تو انسان موت کو ناپسند کرنے لگتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ نماز جنازہ جیسی بیش بہا عبادت سے دور رہنا، در حقیقت اپنے آپ کو خیر عظیم سے محروم رکھنا ہے۔ لہذا جب بھی موقع ملے، نماز جنازہ ضرور پڑھنی چاہیے بلکہ ہمیشہ اس سنہرے موقع کی تلاش اور انتظار میں رہنا چاہیے۔

ان کے ہم نشین بد بخت نہیں ہوا کرتے!

جامع الراجحی میں نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد، تدفین میں شرکت کرنے والوں کو مسجد سے قبرستان لے جانے اور تدفین کے بعد واپس مسجد تک پہنچانے کے لیے بسوں کا انتظام رہتا ہے۔ کچھ سال پہلے، اس خاک سار کو بھی، یہاں سے بذریعہ بس، قبرستان جانے کا موقع ملا۔ کم و بیش پندرہ منٹ کے اس مختصر سفر کے دوران، بس میں سوار لوگ، تین میں سے ایک کام میں مشغول تھے:

1۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر 2۔ تلاوت قرآن مجید

3۔ کسی دینی موضوع سے متعلق گفتگو۔ اس دوران انھوں نے دنیوی امور سے متعلق گفتگو نہ کی، گویا زبان حال سے وہ یہ کہہ رہے تھے:

”قبرستان کی زیارت کا ایک اہم مقصد، عبرت و نصیحت حاصل کرنا ہے۔“

بس میں ایک بزرگ بھی تھے (جو اس دن روزہ رکھے ہوئے تھے) اور ایک شخص کا ہاتھ پکڑ کر اسے نصیحت کرتے ہوے، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے متعلق، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث بیان کر رہے تھے جس میں چار مخصوص اعمال، ایک دن میں کرنے پر جنت کی خوش خبری سنائی گئی۔ مجھے اس نتیجے پر پہنچنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ بزرگ، شاید اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے آج روزہ رکھے ہوئے ہیں، جنازے کی نماز ادا کرنے کے بعد تدفین میں بھی شریک ہو رہے ہیں، ہو سکتا ہے کہ آج انھوں نے کسی مسکین کو کھانا بھی کھلایا ہو اور کسی مریض کی عیادت بھی کی ہو تا کہ ان چار نیک کاموں کے ذریعے جنت کے حق دار بن سکیں، واللہ اعلم۔ پھر انھوں نے کچھ کلمات کہے جنھیں میں آج تک نہیں بھولا:

"إياكم و أموال الناس و دماءهم وأعراضهم ."

”خبر دار! لوگوں کے مال کو ناجائز طریقے سے ہڑپنے، ان کی جانوں کو نقصان پہنچانے اور ان کی عزت و آبرو سے کھلواڑ کرنے سے بچے رہو۔“

سعودی عرب کے امن، ترقی اور خوش حالی کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ یہاں کے شہری، شرعی احکام پر عمل کرتے ہوئے اپنے حکم ران کے فرماں بردار اور وفادار ہوتے ہیں۔ دوسری جانب، یہ لوگ علماء کرام سے جڑ کر، ان سے براہ راست شرعی علم حاصل کرتے ہیں، جس کے سبب، وہ ہر قسم کے فتنہ اور شر و فساد سے محفوظ رہتے ہیں۔ بس میں سوار بعض عام مسلمان بھی دوران گفتگو، ہیئۃ کبار العلماء (علماء کی اعلی کونسل) میں سے بعض علماء کرام کے نام کے ساتھ ان کے اقوال اور فتووں کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ اور اس جیسے بے شمار واقعات، در حقیقت اللہ تعالیٰ کے فضل کے بعد، یہاں کے علماء کرام کی تعلیم و تربیت کے ثمرات ہیں۔ ان خیر خواہ علماء کرام کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے:

هُمُ القَوْمُ لا يَشْقَى بِهِمْ جليسُهُمْ

”یہ وہ نیک بخت لوگ ہیں جن کے ہم نشین (ساتھی)، کبھی بد بخت نہیں ہوا کرتے۔“

ایک کھیت جو ”آخرت کی کھیتی “بن گیا (قبرستان کی داستان)

جامع الراجحی میں نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد، اکثر جنازوں کو، ریاض کے مشرقی حصے میں واقع وسیع و عریض "مقبرۃ النسیم" (قبرستان نسیم) میں دفن کیا جاتا ہے، جو کہ مملکت کے بڑے قبرستانوں میں سے ایک ہے۔

یہ قبرستان کم و بیش ساٹھ سال قبل، در اصل ایک کھیت تھا جس کے خوش نصیب مالک کو اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی کہ وہ اس فنا ہو جانے والے دنیوی کھیت کو ”آخرت کی دائمی کھیتی “میں بدل دیں۔ چنانچہ وہ اس قیمتی زمین کو مسلمانوں کے لیے بطور ”قبرستان“ وقف کر دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ﴾ (الشوری:20)

” جو شخص آخرت کی کھیتی (اجر و ثواب کا طلب گار ہو، ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے۔“

اس عظیم شخصیت و دنیا ”سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ-رحمہ اللہ“ کے نام سے جانتی ہے۔ آپ شیخ الاسلام مجدد محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی پانچویں پشت میں پیدا ہوئے، بعد از آں، متعدد اعلی مناصب کے علاوہ تقریباً پندرہ سال تک ”مملکت کے مفتی عام“ کے باوقار عہدے پر فائز رہے۔ آپ کا سنہ وفات 1389 ہجری ہے۔ أسكنهم الله جنة عرضها السموات و الأرض۔ آمین۔

■ مملکہ کے قبرستانوں کے باب الداخلہ پر زیارت قبور کی دعا لکھی ہوتی ہے۔

■ قبرستان میں ایک آفس موجود ہوتا ہے جہاں اس قبرستان میں مدفون ہر شخص سے متعلق تمام ضروری معلومات درج ہوتی ہیں۔ ہر قبر کا ایک خاص نمبر ہوتا ہے۔

■ قبرستان آنے والوں کو راحت پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ تدفین کے دوران یا اس کے بعد، بیٹھنے کے لیے، ایک سائبان shade کے نیچے، کرسیاں رکھی ہوتی ہیں۔ ٹھنڈے پانی کی بوتلیں، وافر مقدار میں موجود ہوتی ہیں۔ موسم گرما میں، ہوا کو ٹھنڈی کرنے اور درجہ حرارت کو کم کرنے کے لیے، پانی کی پھوار والے پنکھے (Mist Fans) نصب کیے جاتے ہیں۔ قبرستان کی گیٹ کے قریب صاف

ستھرے بیت الخلاء اور وضو خانے موجود ہوتے ہیں۔ قبر میں مٹی ڈالنے کے لیے چھوٹی JCB مشین کا استعمال کیا جاتا ہے ، جس کے سبب، تدفین میں شرکت کرنے والوں کو پھاوڑوں سے مٹی ڈالنے کی مشقت نہیں اٹھانی پڑتی اور کم وقت میں تدفین بھی ہو جاتی ہے۔ قبرستان کو حسی گندگی (کوڑا کرکٹ وغیرہ) سے پاک رکھنے کے ساتھ ساتھ ، معنوی گندگی (شرک وبدعات وغیرہ)، سے بھی مکمل طور پر پاک رکھا جاتا ہے۔

■ یہاں شرعی حکم پر عمل کرتے ہوئے عور تیں قبرستان نہیں جاتیں۔

■ جو لوگ کسی وجہ سے مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھ پاتے ، وہ قبرستان میں نماز جنازہ باجماعت ادا کرتے ہیں۔ کچھ ایسے بے غرض لوگ بھی ہیں جو اپنے رشتے دار کی تدفین کے بعد، فوراً نہیں لوٹ جاتے بلکہ دیگر جنازوں کی تدفین کے بعد، ان کی قبروں تک پہنچ کر، ان کے لواحقین کو بھی پرسہ دیتے ہیں۔

■ کچھ مخلص رضاکار Volunteers تدفین میں مدد کے لیے موجود رہتے ہیں، جو ریاکاری سے بچنے کے لیے اپنے چہروں کو شماغ (عربوں کے مخصوص رومال) سے چھپائے ہوتے ہیں تاکہ کوئی انھیں پہچان نہ پائے۔ میری ایک رشتے دار خاتون-رحمہا اللہ وغفر لھا- کی تدفین کے موقع پر ایک نامعلوم نوجوان آپہنچا، جب اسے علم ہوا کہ جنازہ ایک خاتون کا ہے تو وہ کچھ دور کھڑا، میت کے قبر میں اتارے جانے کا انتظار کرتا رہا۔ جب میت کو مٹی کی اینٹوں سے مکمل طور پر چھپا دیا گیا اور اینٹوں کے درمیان خالی جگہوں کو کچی مٹی سے بھرا جانے لگا تو ہم (لواحقین) سے اجازت لے کر وہ بھی قبر میں اترا اور تدفین کے آخر تک ہاتھ بٹاتا رہا۔ تدفین کے بعد جب وہ اپنے مقصد (اجر وثواب کے حصول) میں کام یاب ہو کر تیزی سے لوٹ رہا تھا تو میں اس کے پیچھے چل پڑا اور گراں قدر تعاون پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ نام پوچھنے پر اپنی شناخت پوشیدہ رکھتے ہوے صرف اتنا کہا: ”اللہ قبول کرے“ اور دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے او جھل ہو گیا۔ جزاہ اللہ خیرا

میرے کچھ محترم رشتے دار بھی ” قبرستان نیم “ میں مدفون ہیں۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور جنات الفردوس میں انہیں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

ہائے افسوس! قبروں کی زیارت ہی اگر بے روح ہو جائے۔۔۔!

اہل علم عام طور پر، قبروں کی زیارت کے تین مقاصد ذکر کرتے ہیں :

1۔ فوت شدہ لوگوں کو سلام کرنا اور ان کے حق میں رحمت، عافیت اور مغفرت کی دعا کرنا۔

2۔ موت اور آخرت کو یاد کرنا۔

3۔ سنت نبویہ کو زندہ کرنا کیوں کہ خود نبی کریم ﷺ نے قبروں کی زیارت فرمائی اور اپنی امت کو اس بات کا حکم بھی دیا۔

قبروں کی زیارت ، اخروی زندگی کی یاد تازہ کرواتی ہے۔ دنیوی زندگی اس قدر قیمتی ہے کہ اس ابدی آخرت کو کمانے کا یہی ایک موقع ہے؛ لہٰذا ہمیں زندگی کے باقی ماندہ لمحات کو غنیمت سمجھتے ہوئے، آخرت کے لیے تیاری کرنی چاہیے تاکہ دائمی حسرت وندامت سے بچنا ممکن ہو سکے۔

گوہر سے گراں تر ہیں تری عمر کے لمحات
ہشیار! کہ ہو جائیں نہ یہ نذر خرافات
کٹ جائے نہ غفلت ہی کے رستے میں یہ مہلت
لب پر نہ ترے وقت اجل ہو کہیں "ہیہات"

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ۔ قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ان کی داڑھی بھیگ جاتی۔

یہ ڈھیر خاک کا اور اس میں لاش انساں کی
مقام فکر ہے کتنا مہیب منظر ہے

ایک مرتبہ، میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ ، ڈولے (جنازے کی چار پائی) کے قریب کھڑے ہو کر، لوگوں سے کہہ رہے تھے: ((هذا سريركم الأخير في الدنيا فاستعدوا للموت))

”لوگو! یہ (ڈولا) اس دنیا میں تمھارا آخری پلنگ ہو گا (جس پر تمھیں اس میت کی طرح لٹا کر، قبرستان لایا جائے گا۔“

لہٰذا اپنی موت کی تیاری کر لو!

فائدہ: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے:

((قولوا لأهل البدع ، بيننا وبينكم يوم الجنائز))”اہل بدعت سے کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان، جنازوں کے دن فیصلہ ہو گا۔“

اہل علم اس قول کا ایک معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ اہل سنت کے جنازوں میں اہل سنت شریک ہوتے ہیں اور اہل بدعت کے جنازوں میں اہل بدعت۔ فوت شدہ علماء اہل سنت کی نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس موقع پر موجود ، علماء اہل سنت سے بھی ملاقات ہو جاتی ہے ، خاص طور پر وہ علماء کرام جن سے کبھی ہماری ملاقات نہ ہوئی ہو۔

تنبیہات: بعض لوگ مسجد میں نماز جنازہ پڑھ کر لوٹ جاتے ہیں حال آں کہ ان کے پاس تدفین کے لیے قبرستان جانے کا وقت بھی ہوتا ہے۔ صرف نماز جنازہ پڑھ کر لوٹ جانے سے موت اور آخرت کی یاد دہانی اس قدر نہیں ہو پاتی جس قدر قبرستان جانے سے ہوتی ہے۔ بعض لوگ اپنے کسی رشتے دار یا شناسا ہی کی تدفین کے موقع پر قبرستان جاتے ہیں۔ پھر ایک لمبی مدت تک قبرستان سے ان کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ یہ طرز عمل مناسب نہیں۔ ہر مسلمان مرد کو چاہیے کہ وہ وقتاً فوقتاً قبرستان کی زیارت کرتا رہے تاکہ اسے نبی کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل کا اجر بھی مل سکے۔

محترم زائرین ! ایک نہایت تکلیف دہ حقیقت یہ ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک، قبرستان کی زیارت ، عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے ایک ذریعے کی بجائے ، محض ایک رسم بن کر رہ گئی ہے۔ قبرستان میں دنیوی امور سے متعلق گفتگو کرنا عام ہوتا جارہا ہے۔ کبھی کچھ لوگ ہنستے ہنساتے بھی نظر آتے ہیں۔ یہ نہایت ہی افسوس کا مقام ہے۔ کیا ہمارے دل اس

حد تک مردہ ہو چکے کہ قبرستان اور غیر قبرستان کے درمیان فرق ہی نہیں کر پا رہے ؟

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مرجائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”علماء کرام کا قول ہے کہ جنازے میں شرکت کرنے والے شخص کا، دنیوی امور سے متعلق گفتگو کرنا یا مسکرانا یا ہنسنا، ایک مکروہ عمل ہے۔“ (شرح ریاض الصالحین : 2/ 598)

علامہ اعمش رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ”ہم جنازے میں شریک ہوتے، اس موقع پر رونے والوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہوتی کہ ہم نہیں جان پاتے (ہم نہیں فرق کر پاتے) کہ (کس کے رشتے دار کی وفات ہوئی ہے اور) کسے پرسہ دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا رونا، خود اپنے آپ پر اور اپنی حالت پر ہوتا تھا، میت پر نہیں۔“ (العاقبۃ فی ذکر الموت:154)

ثابت البنانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم جنازے میں شریک ہوتے تو ہمیں رونے والوں کے سوا کوئی اور نظر نہ آتا۔(سابق حوالہ)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جنازے کے موقع پر ہنستے دیکھا تو فرمایا: کیا تم جنازے کے موقع پر ہنس رہے ہو؟ اللہ کی قسم! میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا۔(سابق حوالہ)

قبرستان کی زیارت سے اگر موت اور آخرت کی یاد دہانی نہ ہو، تو پھر ایسی بے روح زیارت کا کیا فائدہ؟ واللہ المستعان۔

معزز قارئین! انسان کی موت کا دن، اس کے لیے اس دنیا کا آخری اور سفر آخرت کا پہلا دن ہوتا ہے۔ موت کا فرشتہ روح قبض کرتا ہے پھر چند گھنٹوں بعد "منکر اور نکیر" میت سے سوالات کرتے ہیں۔ عالم غیب سے متعلق ان دو مرحلوں کے درمیان کی نصیحت آموز روداد کا نہیں اختتام ہوتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالی زندہ اور فوت شدہ مسلمانوں کی مثالی خدمت کرنے والوں اور ان کے قبرستان کے لیے زمین وقف کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

سعودی عرب کے حکم ران اور ان کی رعایا، قابل مبارک باد ہیں جو دنیا بھر میں انسانیت کی ہمہ جہت خدمات میں ہمیشہ صف اول میں نظر آتے ہیں۔ تاریخ کے اوراق میں ان کے کارنامے سنہرے حروف میں درج ہوں گے۔ ان کا اجر تو اللہ تبارک و تعالی کے پاس محفوظ ہے۔ ہم ان کے حق میں دنیا اور آخرت کی بھلائی کی دعا کرتے ہوئے صرف اتنا کہیں گے کہ جس فراخ دلی اور انوکھے انداز سے آپ حضرات، نسل در نسل انسانیت کی مسلسل خدمت کرتے چلے آرہے ہیں، وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ کسی اور کا، اس بلندی تک پہنچنا اتنا آسان نہیں!

کچھ گزارشات

■ ہر مسلمان کو تجہیز، تکفین، نماز جنازہ، تدفین اور قبروں کی زیارت کے احکام و مسائل، کتاب و سنت کی روشنی میں سیکھنے چاہیے۔

■ بلد توحید و سنت، مملکت سعودی عرب میں دیگر امور ہی کی طرح تجہیز، تکفین، تدفین اور زیارت قبور کے موقع پر بھی کسی شرکیہ عمل یا بدعت کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہوتا؟ اس سے سبق لیتے ہوئے، ہمیں اللہ تعالی کی زمین کو شرک و بدعت سے پاک کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

■ غسل، تکفین اور تدفین کے لیے کچھ رضاکار ہمیشہ تیار ہوں۔ عورتیں بھی عورت کی تجہیز و تکفین کا طریقہ سیکھیں۔

■ ہر چھوٹے بڑے شہر میں واٹساپ یا کسی اور سوشل میڈ یا پلاٹ فارم کے ذریعے، عوام کو نماز جنازہ سے متعلق اطلاع دی جانی چاہیے کہ کس مسجد میں، کس وقت، کتنے جنازے موجود ہوں گے تاکہ لوگوں کو اجر عظیم حاصل کرنے کا موقع مل سکے اور وقتاً فوقتاً موت کی یاد بھی تازہ ہوتی رہے۔ شہر ریاض میں مختلف سوشل میڈ یا پلاٹ فارمس پر روزانہ اطلاع دی جاتی ہے کہ شہر کی کس مسجد میں، کس نماز کے بعد، کتنی میتوں پر نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات کی بھی اطلاع دی جاتی ہے کہ کس قبرستان میں، کتنی میتوں کی تدفین عمل میں آئے گی۔ اس منفرد و مثالی خدمت کو ”قیراط الریاض“ کا نام دیا گیا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے کسی سرچ انجن میں ”قیراط مدينة الرياض“ یا ”جنائز جوامع الریاض“ ٹائپ کریں۔

■ ہر خود دار غریب و مفلس شخص کو یہ غم بھی کھائے جاتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے گھر والے، میرے کفن دفن کا انتظام کیسے کر پائیں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ میرے آخری سفر کے بہتر بندوبست کے لیے قرض کے دلدل میں پھنس جائیں۔

لہٰذا رفاہی اداروں اور مساجد وغیرہ کے ذمہ داران اور اہل خیر سے گزارش ہے کہ وہ کچھ ایسے غسل خانے بھی تعمیر کروائیں جہاں میتوں کو بلا معاوضہ غسل دینے کا انتظام ہو۔ ساتھ ہی ساتھ فقراء اور مساکین کے کفن دفن کے اخراجات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ اللہ تعالی کی عطا کردہ دولت کے صحیح استعمال کے ذریعے، اسے خود اپنی ذات کے لیے اور دوسروں کے لیے بھی فائدہ مند بناتے ہوئے، ایک قابل تقلید نمونہ پیش کریں۔

وہ حضرات و خواتین جنہیں اللہ تعالیٰ نے خوش حال رکھا ہے، انہیں چاہیے کہ وہ اس عظیم خدمت کے ذریعے فقراء و مساکین کو مطمئن کردیں کہ آپ کی وفات، آپ کے گھر والوں پر دوہری مصیبت کی شکل میں نہیں اترے گی؛ موت کی مصیبت اور کفن دفن کے لیے قرض کی مصیبت۔ اس طرح عزت نفس کو سرمایۂ حیات سمجھنے والے لوگ اپنی وفات سے پہلے، کم از کم اپنے کفن دفن کے اخراجات کے غم سے تو بے فکر ہو جائیں گے۔ زمین کے اوپر بسنے والے بے گھر افراد کے لیے مناسب ٹھکانے کا انتظام کرنا یقیناً نیکی کا کام ہے، دوسری جانب ہمیں ان نادار اور تنگ دست افراد کو بھی (ان کے کفن دفن کے موقع پر) ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیے جو اپنے پیچھے اتنا بھی

مال نہیں چھوڑ جاتے کہ جس سے ان کے زیرِ زمین گھر (قبر) کے لیے دو گز زمین کا ٹکڑا ہی خرید اجا سکے!
مسجد کی تعمیر میں حصہ لینے والے خوش نصیب افراد کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ نے اپنی حلال کمائی، مسجد کی تعمیر میں لگائی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہترین بدلہ دے۔ آمین۔ ہاں! ایک بات ضرور یاد رہے کہ مسجد کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد، اسے مختلف عبادات (نماز، تلاوت قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے ذکر، تعلیم دین، وغیرہ) کے ساتھ ساتھ مختلف خیر کے کاموں کے ذریعے آباد رکھنا بھی ضروری ہے۔ ہمارا عمل، شاعر محمد اقبال کے اس مشہور شعر کے بالکل برعکس ہونا چاہیے:

مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

صرف ایک مثال کے ذریعے، بات مزید واضح ہو گی۔ ”جامع الشیخ سلیمان الراجحی“ تعمیر کروانے والے مشہور و معروف تاجر شیخ سلیمان الراجحی حفظہ اللہ نے ایک عالی شان مسجد بنانے کے بعد، مسجدوں سے دوری نہیں اختیار کی بلکہ خود ان کا کہنا ہے کہ وہ فرض نماز ادا کرنے کے لیے اذان سے پہلے مسجد پہنچ جاتے ہیں اور روزانہ پانچ پارے تلاوت کرتے ہیں۔ اذان سے پہلے مسجد پہنچ کر، وہ یقینا نفل نماز، تلاوت قرآن مجید، دعاء اور ذکر الٰہی جیسی عبادتوں کے ذریعے مسجد کو آباد رکھنے کی بھر پور کوشش کرتے ہوں گے۔
فرمان باری تعالیٰ ہے: فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ 0 رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ 0 لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ 0 (النور:36-38)
”ان گھروں میں جن کے بلند کرنے اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، وہاں صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ ایسے لوگ جنھیں تجارت اور خرید و فروخت، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی، اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔ اس ارادے سے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے بلکہ اپنے فضل سے انہیں مزید عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔“

موت آنے سے پہلے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں دل کھول کر انفاق کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ 0وَلَن يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ0 (المنافقون:10-11)
”اور جو کچھ ہم نے تمھیں دے رکھا ہے، اس میں سے (ہماری راہ میں) اس سے پہلے خرچ کرو، کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو کہنے لگے: اے میرے پروردگار! مجھے تو تھوڑی دیر کی مہلت کیوں نہیں دیتا کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں؟ اور جب کسی کا مقررہ وقت آجاتا ہے، پھر اسے اللہ تعالیٰ ہر گز مہلت نہیں دیتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اُس سے اللہ تعالیٰ خوب باخبر ہے۔“
معلوم ہوا کہ صدقہ کا تعلق، جاں کنی یعنی روح قبض کیے جانے کے وقت سے بھی ہے کہ انسان اس وقت، نیک عمل کرنے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کے سوا کسی اور عمل کی تمنا نہیں کرے گا۔ یاد رہے کہ اس وقت آرزو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

لذتوں کو توڑنے والی چیز کو کثرت سے یاد کرو

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران:185)۔
”ہر جان دار، موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔“

کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا ایک مشہور شعر ہے:

كُلُّ ابنِ أُنثَى وَإِن طَالَتْ سَلامَتُهُ
يَوْمًا على آلةٍ حَدْباءَ مَحْمولُ

ہر انسان کو ایک دن (ڈولے میں لٹا کر) کندھوں پر ضرور اٹھایا جائے گا؛ گرچہ اسے سلامتی اور عافیت بھری کتنی ہی لمبی زندگی کیوں نہ نصیب ہوئی ہو۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَادِمِ اللَّذَّاتِ)) ”لذتوں کو توڑ دینے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو۔“ (جامع الترمذی: 2307، 553/4؛ الجامع الصغیر: 209/1)
عام اوقات کے علاوہ، دوران نماز بھی موت کو خصوصی طور پر یاد کرنے کا حکم دیا گیا؛ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اپنی نماز میں موت کو یاد کیا کرو؛ انسان اگر اپنی نماز میں موت کو یاد کرے تو اس بات کا قوی امکان ہو گا کہ وہ اپنی نماز کو بہتر طریقے سے ادا کر پائے۔ اور (جب بھی) نماز پڑھو تو اس نمازی کی طرح پڑھو جو یہ سمجھتا ہے کہ یہ نماز، اس کی آخری نماز ہو سکتی ہے۔“ (أخرجه البيهقي في الزهد الكبير: 527 والديلمي في الفردوس:1755؛ السلسلة الصحيحة:2893)
ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان، اس چند روزہ زندگی میں اپنی موت سے کبھی غافل نہ رہے۔ یہ دنیا، ایک جلد ڈھل جانے والا سایہ ہے۔ اس سے دل لگا کر موت اور آخرت کی تیاری نہ کرنا عقل مندی نہیں۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں بکثرت نماز جنازہ کی ادائیگی، تدفین میں شرکت اور زیارت قبور کی توفیق عطا فرمائے، کتاب و سنت اور منہج سلف پر چلائے اور ہمارا خاتمہ اسلام اور ایمان پر فرمائے۔ آمین
و صلى الله و سلم و بارك على نبينا و حبيبنا محمد و على آله و أصحابه أجمعين وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين



کرامات صحابہ و اولیاء

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء اللہ کی کرامتیں

ڈاکٹر عبد الرب ثاقب ڈڈلی (قسط 23)

بنی اسرائیل کے ایک نابینا تھا کا اللہ کا ولی ہونا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے؛ ایک کوڑھی، ایک گنجا اور ایک نابینا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں بندوں کو آزمانا چاہا، چنانچہ اللہ تبارک وتعالی نے اُن کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ فرشتہ سب سے پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں سب سے زیادہ کیا چیز پسند ہے؟ اُس کوڑھی نے جواب دیا کہ اچھا رنگ، اچھی جلد اور یہ کہ مجھ کو لاحق یہ مرض دور ہو جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کہتے ہیں کہ فرشتے نے اس پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اس کی بیماری جاتی رہی، اس کا رنگ خوبصورت ہو گیا اور جلد بھی اچھی ہو گئی۔ فرشتے نے پوچھا: کس طرح کا مال تم زیادہ پسند کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا اونٹ یا پھر اس نے کہا گائے، اس بارے میں راوی اسحاق کو شک ہے۔ اُسے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی دے دی گئی اور فرشتے نے اسے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں برکت دے۔ پھر فرشہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کیا چیز پسند ہے؟ اس نے کہا عمدہ بال اور یہ کہ میرا یہ عیب ختم ہو جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھے ناپسند کرتے ہیں۔ فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا جس سے اس کا یہ عیب جاتا رہا اور اس کے عمدہ بال آ گئے۔ فرشتے نے پوچھا کہ کس طرح کا مال تمہیں زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا کہ گائے یا اونٹ۔ چنانچہ اُسے حاملہ گائے دے دی گئی اور فرشتے نے اس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں برکت دے۔ پھر فرشتہ اندھے کے پاس گیا اور پوچھا کہ تمہیں کیا چیز پسند ہے؟ اندھے شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے میری بینائی لوٹا دے تاکہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔ فرشتے نے ہاتھ پھیرا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی لوٹا دی۔ فرشتے نے پوچھا کہ کس طرح کا مال تمہیں زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا کہ بکریاں۔ فرشتے نے اسے ایک حاملہ بکری دے دی۔

کوڑھی اور گنجے نے (اونٹ اور گائے کی) افزائش نسل کی اور اندھے نے بھی بکری کے بچے جنوائے۔ کوڑھی کے اونٹوں سے ایک وادی بھر گئی، گنجے کے گائے بیل سے ایک وادی بھر گئی اور اندھے کی بکریوں سے ایک وادی بھر گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: فرشتہ دوبارہ ایک عرصہ بعد اپنی اُسی شکل وصورت میں کوڑھی کے یہاں گیا اور کہا کہ میں ایک نہایت مسکین آدمی ہوں، سفر کا تمام سامان واسباب ختم ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پھر تمہاری مدد کے بنا میں اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا، میں تم سے اسی ذات کا واسطہ دے کر جس نے تمہیں اچھا رنگ، اچھی جلد اور مال عطا کیا، ایک اونٹ کا سوال کرتا ہوں جس پر میں اپنا سفر طے کر سکوں۔ اس نے فرشتے سے کہا کہ حقوق بہت زیادہ ہیں (اس لیے تمہارے لیے گنجائش نہیں)۔ فرشتے نے کہا غالباً میں تمہیں پہچانتا ہوں، کیا تمہیں کوڑھ کی بیماری نہیں تھی جس کی وجہ سے لوگ تم سے نفرت کیا کرتے تھے اور کیا تم فقیر نہیں تھے اور پھر تمہیں اللہ نے مال عطا کیا۔ اس نے کہا کہ یہ سارا مال و دولت تو مجھے اپنے آباء اجداد سے وراثت میں ملا ہے۔ اس پر فرشتے نے کہا کہ اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی پہلی حالت پر لوٹا دے۔ پھر فرشتہ اپنی اُسی شکل وصورت میں گنجے کے پاس گیا اور اس سے بھی وہی کچھ کہا جو کوڑھی سے کہا تھا۔ اس گنجے نے بھی وہی جواب دیا جو کوڑھی نے دیا تھا۔ فرشتے نے کہا کہ اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی پہلی حالت پر لوٹا دے۔ آپ ﷺ کہتے ہیں کہ اس کے بعد فرشتہ اپنی اُسی شکل وصورت میں اندھے کے پاس گیا اور کہا کہ میں ایک نہایت مسکین اور مسافر آدمی ہوں، سفر کے تمام اسباب ووسائل ختم ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات پھر تمہاری مدد کے بنا میں اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ میں تم سے اسی ذات کا واسطہ دے کر جس نے تمہیں بینائی دی، ایک بکری مانگتا ہوں جس سے اپنے سفر کی ضروریات پوری کر سکوں۔ اندھے نے جواب دیا کہ واقعی میں اندھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بینائی عطا فرمائی۔ جتنی چاہو بکریاں لے لو اور جتنی چاہو چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم! آج اللہ کے لیے جو چیز بھی تم لوگے اسے لینے سے میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ اس پر فرشتے نے کہا کہ اپنا مال اپنے پاس رکھو۔ یہ تو صرف تم لوگوں کا امتحان تھا اور اللہ تعالیٰ تم سے راضی اور خوش ہے اور تمہارے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہے۔ (صحیح مسلم:7622)

اللہ تعالیٰ نے ان تین آدمیوں کو آزمانا چاہا اور ان کی بیماری سے بھی شفا عطا فرمایا اور ان کو مالدار بنا دیا اور اسی فرشتہ کو ایک آدمی کی شکل میں بھیجا اور ان تینوں آدمیوں سے اللہ کے نام پر کچھ مدد کرنے کی درخواست کی مگر کوڑھی والا (برص کے دھبوں والا) اور گنجے نے جھوٹ کہا اور اللہ کی ناشکری کر بیٹھے اور فرشتے کی بد دعا سے وہ پہلی بیماری میں مبتلا ہو گئے اور مفلس اور محتاج ہو گئے، نابینا شخص اس امتحان میں کامیاب ہوا اور وہ صحت مند اور اللہ کا ولی ثابت ہوا اور بقیہ دونوں جھوٹے اور اللہ کے ناشکرے بنے رہے!



تاریخ اہل حدیث

ڈاکٹر بہاء الدین

شاہ اسماعیل، بلی ماراں کی مسجد میں بھی وعظ کہتے تھے، چونکہ مولوی فضل حق کو ان سے تعصب تھا، اور وہ سر رشتہ دار محکمہ فوجداری میں تھے، اس واسطے انہوں نے کوتوال کو وعظ سے روکنے کے واسطے بھیجا۔ کوتوال شاہ صاحب کے وعظ سے ایسا متاثر تھا کہ روتا ہوا شاہ صاحب کے سامنے آیا اور کہا کہ میری کیا طاقت جو وعظ سے منع کروں لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ یہ حکم دیتے ہیں، میں مجبور ہوں۔ یہاں سے نکل کر آپ بیان فرمائیں تو مناسب ہے۔ (دہلی اور اس کے اطراف: ص37)

تصانیف میں منصب امامت ؛ عبقات؛ تقویت الایمان؛ تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین؛ اصول فقہ؛ منطق میں ایک رسالہ؛ صراط مستقیم کا کچھ حصہ؛ اور یک روزی شامل ہیں۔ نیز سید صاحب کے مکاتب کا بڑا حصہ بھی انہیں کا لکھوایا ہوا ہے۔ کچھ منظومات بھی ان سے منسوب ہیں۔ آپ ایک نغز گو شاعر بھی تھے ۔ ان کی شاعری فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں موجود ہے۔ مثلاً مثنوی سلک نور، اردو (اس میں حمد و نعت کے بعد تقویۃ الایمان ہی کی توحید کی تشریح فرمائی ہے۔ کہتے ہیں :

نبی البرایا رسول کریم نبوت کے دریا کا در یتیم

حبیب خدا سید المرسلین شفیع الوری ہادی راہ دین

محمد ہے نام اسکا احمد لقب بیاں ہو سکے منقبت اسکی کب

رسالہ بے نمازاں؛ مثنوی سلک نور فارسی (130 شعار کی اس مثنوی میں توحید و سنت کی تبلیغ و ترغیب ہے۔ قادر الکلامی کا مظہر)؛ قصیدہ نعتیہ فارسی (رسول اکرم ﷺ کی مدح میں عمدہ اشعار کا قصیدہ قدرے مشکل بحر میں ہے ہزار حمد برب حکیم صاحب جود ظہور کرد کمالش ز جزز ہر موجود)؛ قصیدہ در مدح سید احمد۔

نیز آپ کی ایک مشہور کتاب کا نام ہے ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح ہے جسے یہاں نذر قارئین کیا جاتا ہے۔ (اس وقت ایضاح الحق کے دو نسخے زیر نظر ہیں۔ پہلا نسخہ 1301ھ کا مطبوعہ ہے اور فارسی سے اردو ترجمہ جناب عبد الکریم نے کیا ہے، دوسرا نسخہ محررہ 1356ھ امداد الفتاح فی توضیح الایضاح کے نام سے کتبخانہ اشرفیہ دہلی نے شائع کیا تھا اور مترجم جناب عبد اللطیف سونی پتی ہیں)

یاد رہے کہ بعض اہل علم کا بیان ہے کہ حقیقت بدعت میں ایسی کوئی کتاب کسی زبان میں آج تک نہیں لکھی گئی۔ تاہم بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایضاح الحق شاہ اسماعیل شہید کی تصنیف نہیں ہے، جیسا کہ محمد حسین بٹالوی نے اپنے ایک مخالف کے خطاب میں کہتے ہیں: جن امور کو ایضاح الحق میں بدعت کہا گیا ہے وہ اکثر صراط مستقیم میں تسلیم کئے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے تمہارے گروہ (احناف) کے ایک نامی فاضل مولوی کرامت علی جونپوری نے رسالہ اطمینان القلوب میں صاف کہدیا ہے کہ ایضاح الحق مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی تالیف نہیں کسی اور لا مذہب اور وہابی اسماعیل کی تالیف ہے۔ (ماہنامہ اشاعۃ السنہ: 97/7) اور جواب میں بٹالوی مرحوم لکھتے ہیں :

جن امور کو ایضاح الحق میں بدعت کہا ہے ان امور کی صراط مستقیم میں بھی تعلیم نہیں ہوئی۔ یہ جناب کی خوش فہمی ہے کہ آپ نے تعلیمات صراط مستقیم کو تحقیقات ایضاح الحق کے مخالف سمجھ لیا ہے۔ صراط مستقیم کی تعلیمات کو ایضاح الحق میں حکم بدعت حقیقیہ یا حکمیہ سے مستثنی کیا ہے اور صاف کہہ دیا ہے کہ بعض اخص خواص ان امور کو (جن کو ایضاح الحق میں بدعت کہا گیا ہے) بطور معالجہ کے کرتے ہیں اور دین نہیں سمجھتے اور نہ امور دینیہ کی طرح اس کا التزام رکھتے ہیں، ان کے حق میں وہ امور بدعت نہیں ہیں۔ ۔۔ اور مولوی کرامت علی جونپوری کا ان تعلیمات صراط مستقیم کو تحقیقات ایضاح الحق کے مخالف سمجھنا اور بناء علیہ ایضاح الحق کو کسی اسماعیل وہابی کی تصنیف قرار دینا بھی اسی نافہمی پر مبنی ہے۔ علاوہ ازیں اس کی بناء اس دلی عداوت پر بھی ہے جو مولوی کرامت علی کو گروہ اہل حدیث سے تھی اس کا ثبوت ان کی اس تقریر میں موجود ہے جو مجلس مذاکرہ علمیہ کلکتہ واقع 28 شعبان 1287ھ مطابق 24 نومبر 1870ء میں ان کی زبان سے سرزد ہوئی ہے اور وہ رسالہ ششمی ماہانہ سال ہشتم مجلس مذکور میں مندرج ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ آپ اس تقریر میں گورنمنٹ انگلشیہ کی بغاوت سے اپنے گروہ حنفیہ کو بری کرتے ہیں اور۔۔ فرماتے ہیں: اور کم بخت وہابیوں کا حال یہ ہے کہ ان کو اصلاً اپنے دین و ایمان کا پاس ولحاظ بھی نہیں ہے۔ صرف بطمع نفسانی انہوں نے یہ سارا مکر پھیلا رکھا ہے۔ اور دین کے پردہ میں دنیا حاصل کیا چاہتے ہیں، پھر ان کو کفر اسلام سے کیا مطلب؟ اگر آج یہاں کوئی بادشاہ اسلام ہوتا تو اس سے بھی بے تکلف یہ قوم لڑنے اور جہاد کرنے پر مستعد ہو جاتی: فلا رحم اللہ علی أصولهم وفروعهم۔ ان الفاظ میں جناب کرامت علی نے کوئی دقیقہ اہلحدیث سے عداوت کا فروگذاشت نہیں کیا۔ ان کو دائرہ اسلام سے خارج کر کے ان کے اصول و فروع کو رحمت الہی سے محروم کر دیا۔ (ماہنامہ اشاعۃ السنہ: 114/7) اور ڈاکٹر ابو محمد جمال الدین کہورہ ضلع ساگر نے لکھا ہے:

ہم نے ثقات سے سنا ہے کہ ان (مولوی کرامت علی) کو حدیث اور عاملان حدیث سے اس قدر دشمنی تھی کہ آمین بالجہر اور رفع یدین کرنے والوں کو مسجد سے نکلوا دیتے تھے۔ (اشاعۃ السنہ: 152/7)

